

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نمای الحدیث

ایک تحقیقی
واصلاتی میگزین

جلد 1 | ذی القعدہ/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ | جولائی/اگست 2018ء | شمارہ 2

سرپرست

حافظ عبداللہ رفیق

شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ کوکورشاپ لاہور

مدیر

محمّد ارشد کمال

0322-2999987

معاون مدیر

حافظ ابوسفیان میر محمدی

0300-4008489

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
1-	درس قرآن: سورۃ الحجرات سعید مختاری السعیدی	2
2-	درس حدیث: کتاب الزہد ترجمہ: ابوسفیان عباس میر محمدی	5
3-	حقیقت تقلید اعداد: ابن شیر محمد ہوشیار پوری	9
4-	سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت محمد ارشد کمال	16
5-	کیا نبی ﷺ کا سایہ نہیں تھا؟ مولانا خاور رشید بٹ	35
6-	صلوۃ الضحیٰ کے فضائل و مسائل ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی	41
7-	حدیث غسل عائشہ رضی اللہ عنہا اور منکرین حدیث حافظ عبداللہ رفیق	58
8-	تکبیرات عید الاضحیٰ ابن شیر محمد ہوشیار پوری	63

خط و کتابت

جامعہ محمدیہ کوکورشاپ لاہور 196-D ملتان وڈ، سکیم موڈ، لاہور/ڈاک خانہ منہ و ناز

مجلس ادارت

مولانا محمد سرور عام

ابو محمد عبداللہ اختر

ابو عبدالانعم گلزار

چوہدری محمد آصف

حافظ عبدالرحمن یاسین

سید عامر اختر شاہ

پروفیسر محمد بلال

فرز احمد

قیمت

فی شمارہ: 35 روپے

سالانہ: 250 روپے

☆ مع محصول ڈاک

ناشر: المكتبة الكمالية ○ ملتان وڈ، سکیم موڈ لاہور 0322-2999987
 0302-4510300



درس قرآن:

پروفیسر ابو حمزہ سعید بنی السعیدی

سورة الحجرات

قسط: 2

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (الحجرات: 2)

”اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نبی کے ساتھ اس طرح بلند آواز سے بات نہ کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے وقت آوازیں بلند کرتے ہو۔ مبادا کہ اس کے نتیجے میں تمہارے اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔“

بارگاہ رسالت کے آداب:

اس آیت میں اور اس سے بعد والی آیات میں امت کو بارگاہ رسالت کے آداب سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ آپ کی موجودگی میں بات کرتے وقت اپنی آواز کو رسول اللہ ﷺ کی آواز سے پست رکھا جائے اور لوگ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو بلند آواز سے، چیخ چیخ کر پکارتے ہیں، نبی ﷺ کو اس انداز سے نہ پکاریں، ایسا کرنے سے ان کے اعمال برباد ہو جائیں گے اور انہیں اس کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

وفد بنی تمیم کی آمد:

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں 9ھ کے سال کو ”عام الوفود“ کا نام دیا گیا ہے کہ اس سال بہت سے قبائل کے متعدد وفود کثرت سے مدینہ منورہ آئے تھے، آنے والے وفود میں ایک وفد بنو تمیم کا تھا۔



یہ وفد کئی دن تک مدینہ منورہ میں مقیم رہا۔ قیام مدینہ کے دوران میں ان کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقاتیں ہوئیں اور عام مسلمانوں کے ساتھ میل جول بھی رہا۔ اس دوران میں انھوں نے بہت سی اسلامی تعلیمات حاصل کیں۔

یہ لوگ جب اپنے علاقے کی طرف واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے امیر کے حوالے سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی اس سلسلے میں سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی آراء مختلف ہو گئیں۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ بنو تمیم کا وفد نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اللہ کے رسول! آپ قعقاع بن معبد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیں۔ جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ اقرع بن حابس تمیمی خطلی رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیا جائے۔

اپنی رائے کے خلاف سن کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ برداشت نہ کر سکے اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے محض میری مخالفت میں دوسرا نام پیش کیا ہے۔“ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اختلاف کی تو کوئی بات نہیں میں نے تو محض اپنی رائے دی اور تجویز پیش کی ہے۔ دونوں کی آپس میں ٹوٹکار شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کی آوازیں خاصی بلند ہونے لگیں۔ چنانچہ اس حوالے سے قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْلُبُوا بُيُوتَ رَسُولِ اللَّهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝﴾ (الحجرات: 1/49، 2)

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے پیش قدمی نہ کرو، اللہ سے ڈرو، بلاشبہ وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم



کبھی بھی اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اس طرح بلند آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے نتیجے میں تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔“ (صحیح البخاری: 4367)

بنو تمیم کی فضیلت:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو تمیم کے بارے میں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں، میں نے جب سے یہ حدیث سنی ہے، تب سے میں ان لوگوں سے محبت کرتا ہوں، وہ باتیں یہ ہیں:

- 1: ”دجال کے مقابلے میں یہ لوگ میری امت میں سب سے زیادہ سخت ثابت ہوں گے۔“
- 2: اس قبیلے کی ایک لونڈی ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت میں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ”عائشہ! اسے آزاد کر دو۔ یہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ہے۔“

- 3: اس قوم کے صدقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے خوشی سے فرمایا: ”یہ میری قوم کے صدقات ہیں۔“ (صحیح البخاری: 4366)

احکام و مسائل:

- 1: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کی موجودگی میں بلند آواز سے باتیں کرنا منع تھا۔
- 2: آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی آپ کی مسجد میں اور آپ کی قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے باتیں کرنا خلاف ادب ہے۔
- 3: جو لوگ اپنی یا کسی بھی دوسرے کی بات یا ذات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور بات سے اونچا سمجھیں ان کے اعمال ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں۔
- 4: اس میں ان لوگوں کے لیے بھی مقام غور و فکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے اور حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے سپیکر پر بلند آواز سے شور و غوغا کرتے ہیں۔



درس حدیث:

کتاب الزهد

امام ابو داود السجستانی

تحقیق و تخریج: محمد ارشد کمال ترجمہ و فوائد: ابوسفیان عباس میر محمدی

[6]..... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ نا..بْنُ عَلِيٍّ ، نا مَالِكُ ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلٍ: أَنَّ مَلِكًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رَكِبَ يَوْمًا فِي مَوْكِبٍ لَهُ ، فَتَشَرَّفَ النَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ ، حَتَّى مَرَّ بِرَجُلٍ يَعْمَلُ شَيْئًا مُكِبًّا عَلَيْهِ ، فَلَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ إِلَيْهِ ، فَوَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ: كُلُّ النَّاسِ تَشَرَّفَ عَلَيَّ وَنَظَرَ إِلَيَّ إِلَّا أَنْتَ؟ قَالَ الرَّجُلُ: إِنِّي رَأَيْتُ مَلِكًا قَبْلَكَ كَانَ عَلَى هَذِهِ الْقَرْيَةِ ، مَاتَ هُوَ [ص:35] وَمُسْكِينٌ ، فَدُفِنَ الرَّجُلُ إِلَى جَنْبِهِ ، فَلَمْ أَزَلْ أَتَعَاهُ هُمَا كُلَّ يَوْمٍ أَنْظُرُ إِلَيْهِمَا حَتَّى تَفَرَّقَتْ أَوْصَالُهُمَا ، وَكَشَفَتِ الرِّيحُ عَنْ قُبُورِهِمَا ، ثُمَّ اخْتَلَطَ رَأْسُ هَذَا وَرَأْسُ هَذَا ، وَعِظَامُ هَذَا وَعِظَامُ هَذَا ، فَلَمْ أَعْرِفْ رَأْسَ الْمَلِكِ مِنْ رَأْسِ النَّاسِ فَلِذَلِكَ لَمْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ

..... جناب ابوسہیل (نافع بن مالک) رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک دن بنی اسرائیل کا ایک بادشاہ اپنی سواری پر سوار ہوا، چنانچہ لوگ اس کی شان و شوکت کی وجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگے، یہاں تک کہ وہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرا جو بڑے انہماک کے ساتھ کچھ کام کر رہا تھا، اس نے اس (بادشاہ) کی طرف ذرا بھی التفات نہ کیا تو بادشاہ اس کے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا: ”(ارے!) تیرے علاوہ تمام لوگ مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں؟“ اس شخص نے (جواباً) کہا: میں نے اس بستی میں آپ سے پہلے بھی ایک بادشاہ کو دیکھا ہے وہ فوت ہوا اور ساتھ ایک مسکین بھی فوت ہوا تو مسکین آدمی کو اس بادشاہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا، چنانچہ میں ان دونوں (قبروں کی) کی دیکھ بال کرتا رہا ہر روز انہیں دیکھتا، یہاں تک کہ ان کے اعضاء الگ الگ ہو گئے اور (پھر) ہوانے ان دونوں کی قبروں کو اندر سے واضح کر دیا، پھر اس کا سر اور اس کا سر ایک



دوسرے سے مل گیا اور اس کی ہڈیاں اور اس کی ہڈیاں ایک دوسرے سے مل گئیں، پھر میں لوگوں کے سروں سے بادشاہ کے سر کا امتیاز نہ کر سکا۔ اس وجہ سے میں نے آپ کی طرف نہیں دیکھا۔
تحقیق و تخریج:..... تلاش بسیار کے باوجود اس کی سند نہیں ملی۔

[7]..... حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ حَالِدٍ، قَالَ نَا عَبْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ قَالَ: نَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ بَكَّارِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الصَّنْعَانِيِّ، عَنْ ابْنِ مُنْبِهٍ، قَالَ: قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِيمَا عَيَّرَ بِهِ الْأَخْبَارَ، أَحْبَابَ بَنِي إِسْرَائِيلَ: تَفْقَهُونَ لَغَيْرِ الْعِبَادَةِ، وَتَعْلَمُونَ لَغَيْرِ الْعَمَلِ، وَتَلْتَمِسُونَ الدُّنْيَا بِعَمَلٍ الْآخِرَةِ وَتَنْقُونَ الْقَدَا مِنْ شَرَابِكُمْ، وَتَبْتَلِعُونَ أَمْثَالَ الْجِبَالِ مِنَ الْحَرَامِ، وَتُثْقِلُونَ الدِّينَ عَلَى النَّاسِ، وَلَا تُعِينُونَهُمْ بِرَفْعِ الْخَنَاصِرِ، وَتَلْبَسُونَ جُلُودَ الضَّأْنِ وَتُخْفُونَ أَنْفُسَ الدِّثَّابِ، وَتَبْيِضُونَ ثِيَابَكُمْ تَقْتَسِمُونَ بِذَلِكَ مَالَ الْيَتِيمِ وَالْأَرْمَلَةِ، قَالَ اللَّهُ: فَبِعِزَّتِي حَلَفْتُ لَا أَضْرِبَنَّكُمْ بِفِتْنَةٍ يَضِلُّ فِيهَا عَقْلُ ذِي الْعَقْلِ وَحِكْمَةُ الْحَكِيمِ .

جناب وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علماء کو جن باتوں پر عار دلائی، ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ تم عبادت کے علاوہ اور چیزوں کے لیے نفاہت حاصل نہیں کرتے، عمل کرنے کے لیے علم حاصل نہیں کرتے، آخرت کے عمل کے بدلے دنیا کے متلاشی ہو، اپنے مشروب سے تنکا نکال دیتے ہو اور پہاڑوں جیسی بڑی بڑی حرام چیزیں نگل جاتے ہو، لوگوں پر دین کو بوجھل کرتے ہو اور چھگیوں (چھوٹی انگلی) اٹھانے کے ساتھ (یعنی معمولی) ان کی مدد نہیں کرتے ہو، بھیڑ کے چمڑوں کا لبادہ اوڑھتے ہو اور بھیڑیوں کے دلوں کو اپنے اندر چھپاتے ہو، اپنے کپڑوں کو سفید کرتے ہو اور اس کے ذریعے سے یتیموں اور بیوہ عورتوں کے اموال کو (ناجائز) قبضے میں کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”(مجھے) میری عزت کی قسم! میں تم میں ضرور ایک فتنہ پیدا کروں گا جس میں عقل والے کی عقل اور دانا کی دانائی گم ہو جائے گی۔



تحقیق و تخریج: (وہب) ابن منبہ تک اس کی سند صحیح ہے، اسے امام ابن المبارک نے ”الزهد“ (470) احمد نے ”الزهد“ (291) اور ابو نعیم نے ”حلیۃ الاولیاء“ (184/3) میں روایت کیا ہے۔
[8] حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ نَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ، قَالَ: نَا جَعْفَرٌ، عَنِ الْجَرِيرِيِّ، عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنْبَهٍ، قَالَ: كَانَتْ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ قُرَاءَةٌ فَسَقَتْ، وَسَيَكُونُ فِيكُمْ آيَتُهَا الْأُمَّةُ ❶ قِرَاءَةُ فَسَقَتْ.

جناب وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: بنی اسرائیل میں فاسق قراء تھے، اے امت! عن قریب تم میں بھی فاسق قراء ہوں گے۔

تحقیق و تخریج: وہب بن منبہ کے اس قول کی سند حسن ہے۔ اسے امام احمد رضی اللہ عنہ نے ”الزهد“ (524) اور بیہقی نے ”شعب الایمان“ (6554) میں روایت کیا ہے۔ جعفر بن سلیمان کا سعید الجریری سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے۔ (صحیح مسلم: 2790)
[9] حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ نَا إِسْحَاقُ بْنُ سُوَيْدٍ، قَالَ: نَا عُمَرُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: نَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، عَنْ مُوسَى بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: ((قَالَ رَهْطُ بَنِي إِسْرَائِيلَ: زَيْنُ الْحَكِيمِ الصَّمْتُ.))
جناب موسیٰ بن علی اپنے باپ (علی بن رباح اللخمی المصری) رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں انھوں نے کہا: بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے کہا: ”دانا اور حکیم آدمی کی زینت اور خوب صورتی خاموشی (میں) ہے۔“

تحقیق و تخریج: موسیٰ بن علی کے والد (علی بن رباح بن قیصر) کے اس قول کی سند حسن ہے۔ اسے امام ابن ابی الدنیاء نے ”الصمت“ (567) میں روایت کیا ہے۔ یحییٰ بن ایوب جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق ہے۔

[10] حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، قَالَ نَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْعَطَّارُ، قَالَ: نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الصَّمَدِ قَالَ: نَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ، عَنْ مَعْبَدِ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِي الْعَوَّامِ، مُؤَذِّنِ بَيْتِ الْمُقَدِّسِ، عَنْ كَعْبٍ، قَالَ:

❶ ہمارے پاس جو نسخہ ہے اس میں ”قِرَاءَةُ“ ہے مگر سیاق و سباق کے لحاظ سے ”قِرَاءُ“ درست معلوم ہوتا ہے۔
واللہ اعلم بالصواب (ابوسفیان)

(يَيْنَمَا بَنُو إِسْرَائِيلَ يُصَلُّونَ إِذْ جَاءَ رَجُلَانِ فَدْخَلَا أَحَدُهُمَا وَلَمْ يَدْخُلِ
الْآخَرُ وَقَامَ عَلَى أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ يَقُولُ: أَنَا أَذْخُلُ بَيْتَ اللَّهِ؟ لَيْسَ مَثَلِي
يَدْخُلُ بَيْتَ اللَّهِ وَقَدْ عَمِلْتُ كَذَا وَكَذَا، وَعَمِلْتُ كَذَا وَكَذَا، وَجَعَلَ
يَبْكِي وَلَمْ يَدْخُلْ قَالَ كَعْبٌ: كَتَبَ مِنَ الْغَدِ إِنَّهُ صَدِيقٌ.))

جناب کعب احبار اللہ کہتے ہیں: ایک دفعہ بنی اسرائیل نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک دو آدمی
آئے ان میں ایک (عبادت خانے میں) داخل ہو گیا اور دوسرا (عبادت خانے میں) داخل نہ ہوا
مسجد کے دروازے پر کھڑا رہا اور کہنے لگا: میں اللہ کے گھر میں داخل ہوں؟ میرے جیسا انسان
اللہ کے گھر میں داخل نہیں ہوتا، جب کہ میں نے تو یہ اور یہ اور فلاں فلاں (گناہ والا) کام کیا
ہے اور پھر رونا شروع ہو گیا اور (مسجد میں) داخل نہ ہوا۔ کعب احبار کہتے ہیں: اگلے دن لکھا جا
چکا تھا کہ وہ صدیق (سچے لوگوں میں سے) ہے۔“

تحقیق و تخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اسے امام ابن المبارک نے ”الزهد“ (478) اور ابو نعیم
نے ”حلیۃ الاولیاء“ (397/4) میں روایت کیا ہے۔ ابوالعوام مؤذن بیت المقدس کے حالات مطلوب ہیں۔

مدلس کی معنعن روایت کا حکم

[ابوعبدالرحمن قصوری]

استاذ العلماء حافظ محمد عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ (المتوفی 1337ھ) فرماتے ہیں: ثانیاً:
اس وجہ سے کہ اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی ابن جریج مدلس ہیں اور انھوں نے اس
حدیث کو زہری سے عن کے ساتھ روایت کیا ہے اور راوی مدلس کی معنعن حدیث حجت نہیں۔
”نزہۃ النظر“ میں ہے: وحکم من ثبت عنه التدلیس اذا كان عدلاً ان لا یقبل
منہ الا ما صرح فیہ بالتحذیر علی الاصح . (نزہۃ النظر، ص: 104) ”صحیح
قول کے مطابق مدلس راوی جب عادل ہو تو اس کی صرف وہی روایت مقبول ہوگی جس میں وہ
”حدثننا“ وغیرہ کے ساتھ (اپنے سماع کی) تصریح کرے۔“ (مجموع فتاویٰ ہس: 689، 690)



اعداد: ابن شہر محمد ہوشیار پوری

خطاب: محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

حقیقت تقلید

[قسط: 2]

تقلید شخصی:

اب ہم اس پر بحث کرتے ہیں کہ جو لوگ تقلید شخصی کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ تقلید شخصی سے مراد یہ نہیں لیتے کہ ایک زندہ عالم کو امام بنا کر اس کی تقلید کریں، ایسا نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ جو چار امام گزرے ہیں: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ یعنی ائمہ اربعہ۔ ان میں سے صرف ایک امام کی تقلید کی جائے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ واجب ہے۔

پاکستان اور ہندوستان میں اور دنیا کے دوسرے کونوں میں تقلید کرنے والے لوگ کیا کہتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ چار اماموں میں سے صرف ایک امام کی تقلید کرنا تقلید شخصی ہے۔ بے سوچے سمجھے، آنکھیں بند کر کے بغیر دلیل کے اس کی ہر بات ہر قول و فعل کو ماننا یہ تقلید ہے اور (بقول ان کے کہ) یہ واجب ہے۔ میں اس کی ایک اور تشریح بیان کرتا ہوں، پاکستان میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پاکستان میں اہل حدیث کا اصل ٹکراؤ بھی انہی لوگوں سے ہے۔ یہ اہل حدیث سے بحث تو تقلید مطلق پر کرتے ہیں لیکن تقلید امام ابوحنیفہ ہی کی کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے علاوہ کسی اور کی تقلید کا یہ نہیں کہتے۔

✽..... یہ میرے پاس کتاب ہے ”ایضاح الادلہ“ یہ بھی مارکیٹ میں موجود ہے۔ یہ محمود الحسن دیوبندی صاحب کی لکھی ہوئی ہے اور یہ کتاب انھوں نے اہل حدیث کے خلاف لکھی تھی، بٹالوی صاحب کے خلاف لکھی تھی۔ اس کتاب میں صفحہ نمبر 276 پر محمود الحسن صاحب لکھتے ہیں: ”لیکن سوائے امام اور کسی کے قول سے ہم پر حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے۔“ یعنی یہ بات عقل سے بھی دور ہے کہ کوئی آدمی ہمارے خلاف امام ابوحنیفہ کے قول کے



علاوہ کوئی اور قول پیش کر دے یعنی ان لوگوں کے نزدیک امام صاحب کا قول ہی فقہی مسائل میں اصل دلیل ہے۔

قول مجتہد قول رسول:

یہ دیکھیں ”تقاریر شیخ الہند“ یہ محمود الحسن کی تقاریر ہیں، اس میں صفحہ نمبر 24 پر وہ فرماتے ہیں: ”کیوں کہ قول مجتہد بھی قول رسول ﷺ ہی شمار ہوتا ہے۔“ قول رسول اللہ ﷺ، یعنی مجتہد امام کی بات بھی رسول اللہ ﷺ ہی کی بات ہوتی ہے۔ دیکھ لیں یہ لوگ امام کو وہ مقام دے رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کا ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی کا مقلدین سے مطالبہ:

یہی محمود الحسن صاحب جنھوں ”ادلہ کاملہ“ لکھی اور پھر اسی کی تشریح ”ایضاح الادلہ“ لکھی۔ محمد حسین بٹالوی جو اہل حدیث عالم تھے، انھوں نے تقلید کرنے والوں سے مطالبہ کیا کہ آپ لوگ تقلید کرتے ہیں، اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ یہ سوال کرنا ہمارا حق ہے، یہ سوال غلط تو نہیں، ناجائز تو نہیں، اس میں کوئی گالی تو نہیں دی گئی تھی۔ بس یہ سوال کیا تھا کہ آپ کے پاس تقلید کرنے کی کیا دلیل ہے؟

”ادلہ کاملہ“ صفحہ نمبر 78 پر اس سوال کا جواب دیتے ہوئے محمود الحسن صاحب نے لکھا: ”آپ ہم سے وجوب تقلید کی دلیل کے طالب ہیں، ہم آپ سے وجوب اتباع محمدی ﷺ و وجوب اتباع قرآنی کی سند کے طالب ہیں۔“

دیکھیں کیا کہہ رہے ہیں کہ آپ ہم سے کہتے ہیں کہ تقلید کے واجب ہونے کی دلیل بیان کرو اور ہم آپ سے کہتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کے واجب ہونے کی دلیل بیان کرو، قرآن کے واجب ہونے کی دلیل دو۔ پھر آگے شرط لگاتے ہیں کہ تم قرآن نہیں پیش کر سکتے، حدیث نہیں پیش کر سکتے۔ تو پھر کیا پیش کریں؟ قرآن وحدیث نہ پیش کریں تو پھر کیا پیش کریں؟ گرو کی ”گرنٹھ“ پیش کریں؟ کچھ تو ہوش ہونی چاہیے، کچھ تو انصاف ہونا چاہیے۔

چار مقلدوں کا واقعہ:

حسین احمد ٹانڈوی صاحب ہیں جو حسین احمد مدنی کے نام سے مشہور ہیں، دیوبندی انھیں بڑا مقام دیتے ہیں۔ دیوبندی حلقوں میں انھیں شیخ الاسلام کا لقب دیا جاتا ہے۔ یہ میرے پاس ان کی ”تقریر ترمذی“ ہے۔ اردو میں ہے اور کتب خانہ مجیدیہ سے چھپی ہے۔ اس کا صفحہ نمبر 399 ہے۔ کہتے ہیں: ”ایک واقعہ پیش آیا“

پہلے میں آپ کو اس واقعہ کا پس منظر سنا دوں، پس منظر یہ ہے کہ اہل حدیث، حنفی، شافعی اور حنبلی یہ سارے مذاہب رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں اور مالکی حضرات ہاتھ چھوڑ کر پڑھتے ہیں، کسی جگہ ایک مالکی تھا جو ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتا تھا، ایک دن اس کے تین دوستوں: حنفی، شافعی اور حنبلی، تینوں نے کہا کہ اس کے پاس چلتے ہیں۔

اب آگے یہ واقعہ ٹانڈوی صاحب سے سنیں، وہ کہتے ہیں: ”ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ تین عالم (حنفی، شافعی اور حنبلی) مل کر ایک مالکی کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم ارسال یعنی ہاتھ چھوڑ کر نماز کیوں پڑھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں امام مالک کا مقلد ہوں، دلیل ان سے جا کر پوچھو۔ اگر مجھے دلائل معلوم ہوتے تو تقلید کیوں کرتا، تو وہ لوگ ساکت (خاموش) ہو گئے۔“

بات سمجھ آئی؟ اس سے پتا چلا کہ مقلد وہ ہوتا ہے جس کے پاس دلیل نہیں ہوتی، دلیل کے لیے اس کے امام کے پاس جانا ضروری ہوتا ہے کہ امام کے پاس جا کر پوچھے کہ اس کی دلیل کیا ہے، جیسے یہ مالکی کہہ رہا ہے کہ ”امام مالک سے جا کر پوچھ کہ اس کی دلیل کیا ہے۔“ ہمارا سو فیصد یقین ہے کہ یہ چاروں امام اور جتنے دوسرے بزرگ ہیں وہ قیامت کے دن بری ہوں گے، براءت کا اعلان کریں گے کہیں گے کہ یا اللہ! ہم نے تو یہ نہیں کہا تھا (کہ ہماری تقلید کرو) قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ ان بزرگوں نے کہا ہو کہ ہماری تقلید کرو۔

مقلدین کو چیلنج:

میرا پوری دنیا کے مقلدوں کو یہ چیلنج ہے کہ وہ صحیح سند کے ساتھ کسی ایک بڑے امام سے یہ ثابت کر دیں کہ اس نے یہ کہا ہو کہ ”قَلِّدُونِي“ ”تم میری تقلید کرو۔“



(اس کے برعکس) میں ان شاء اللہ یہ ثابت کروں گا کہ آئمہ کرام تو یہی کہتے تھے کہ
 ”لَا تُقَلِّدُونِي“ ”تم میری تقلید نہ کرو۔“
مقلدین کا قرآن و حدیث سے سلوک:

تقلید نے لوگوں کو کس طرح قرآن و حدیث سے دور کیا ہے؟ یہ میرے ہاتھ میں ”جاء الحق“ ہے۔ یہ ساری کتابیں مارکیٹ میں موجود ہیں جن کے میں آپ کے سامنے حوالے پیش کر رہا ہوں اور یہ یاد رکھیں کہ یہ دین کا مسئلہ ہے۔ یا جنت ہے یا جہنم ہے۔ یہ دنیا کی زندگی تو عارضی ہے، ہم سب اللہ کے سامنے پیش ہونے والے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں جو آدمی ناکام ہو گیا تو وہ تباہی اور ہلاکت میں جاگرا۔

✽..... یہ ”جاء الحق“ مفتی احمد یار نعیمی بریلوی کی کتاب ہے، اس کی جلد نمبر 2 اور صفحہ نمبر 91 کی عبارت میں آپ کے سامنے پیش کرنے لگا ہوں اس عبارت پر غور کریں اور پھر اللہ کا شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو کتاب و سنت کی شاہراہ پر چلایا ہے۔
 کسی اہل حدیث نے اعتراض کیا کہ تم نے جو حدیث بیان کی وہ ضعیف ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے مفتی صاحب کہتے ہیں:

”اس کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں۔ اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں، ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہیں۔“

سمجھ آئی؟ کہہ رہے ہیں کہ یہ حدیثیں، یہ روایتیں ہماری دلیلیں نہیں، ہماری اصل دلیل امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ یہ توفیق حنفی کے امام ابوحنیفہ کے جو فقہی مسائل ہیں ان کی تائید کے لیے ہم قرآن اور حدیث پیش کرتے ہیں۔

دوبارہ سن لیں، کہتے ہیں: ”ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لیے پیش کرتے ہیں۔“ یعنی امام ابوحنیفہ کا درجہ اوپر ہے، آیات اور احادیث نیچے ہیں۔ انھیں ہم بس تائید کے



لیے پیش کرتے ہیں۔ حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ قرآن اور حدیث کا درجہ اوپر ہو پھر اگر اس کی تائید کسی امام نے کی ہو تو اسے پیش کریں۔

✽..... اسی کتاب میں یعنی جلد نمبر 2 اور صفحہ نمبر 9 پر ہے۔ بھائیو! علمی مجلسوں کو غور اور ٹھنڈے دماغ سے سننا چاہیے۔ مفتی احمد یار صاحب کہتے ہیں: ”کیوں کہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔“

یعنی امام ابوحنیفہ کا قول ہی ان کی دلیل ہے اور وہ بھی فقہ میں۔ عقائد میں نہیں، اگر عقیدہ حاضر و ناظر، نور و بشر وغیرہ آجائے تو پھر کہیں گے کہ تقلید جائز نہیں۔ عقیدے میں امام صاحب کا قول بالکل نہیں مانیں گے۔

✽..... ہمارے دیوبندی بھائی بھی پیچھے نہیں ہیں۔ یہ ”ارشاد القاری الی صحیح البخاری“ ہے۔ یہ مفتی رشید احمد لدھیانوی کراچی والے جو فوت ہو چکے ہیں۔ اخبار ”اسلام“ اور ”ضرب مومن“ پر ان کا نام لکھا ہوا آتا تھا یہ (ارشاد القاری) انھی کی کتاب ہے اور ایچ ایم سعید کراچی سے چھپی ہے، یہ صحیح بخاری کی شرح ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر 412 والی عبارت میں آپ کے سامنے پڑھنے لگا ہوں۔

یہ کہتے ہیں: ”غرض یہ کہ یہ مسئلہ اب تک تشنہ تحقیق ہے، معہذا ہمارا فتویٰ اور عمل قول امام رحمہ اللہ کے مطابق ہی رہے گا، اس لیے کہ ہم امام رحمہ اللہ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لیے قول امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلہ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفہ مجتہد ہے۔“

پتا ہے ادلہ اربعہ کتنے ہیں؟ ادلہ اربعہ چار دلیلوں کو کہتے ہیں: (1) قرآن (2) حدیث (3) اجماع اور (4) اجتہاد۔ یہ کہتے ہیں کہ مقلد کے لیے صرف امام کا قول ہی حجت ہوتا ہے۔ نہ قرآن حجت ہوتا ہے نہ حدیث حجت ہوتی ہے نہ اجماع حجت ہوتا ہے اور نہ اجتہاد حجت ہوتا ہے۔ دیکھیں کیسی جرات ہے۔

اسی کتاب میں صفحہ نمبر 288 پر یہی مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں: ”ورنہ مقلد کے لیے صرف قول امام ہی حجت ہوتا ہے۔“ یعنی مقلد کے لیے نہ قرآن حجت نہ حدیث حجت۔ بس



امام کا قول حجت ہے۔

✽..... ایک دفعہ محمد حسین بٹالوی صاحب نانوتوی صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ بٹالوی صاحب اہل حدیث عالم تھے اللہ تعالیٰ ان کی نیکیاں قبول کرے اور کوتاہیاں معاف کرے۔ وہ محمد قاسم نانوتوی صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ نانوتوی صاحب نے کمرہ بند کر لیا اور دونوں (بٹالوی صاحب اور نانوتوی صاحب) بند کمرے میں بیٹھ گئے اب مدرسے کے جو طالب علم تھے انھوں نے دروازے کے ساتھ کان لگائے اور دروازے سے دیکھنے لگے کہ اندر کیا باتیں ہو رہی ہیں، ان کان لگانے والوں میں سے ایک محمود الحسن دیوبندی صاحب بھی تھے، جنھیں ”اسیر مالٹا“ کہتے ہیں یہی اس واقعہ کے راوی ہیں۔ انھوں نے یہ واقعہ مناظر احسن گیلانی کے سامنے بیان کیا۔ مناظر احسن گیلانی کٹر دیوبندی تھے۔ انھوں نے تین جلدوں میں قاسم نانوتوی صاحب کی ”سوانح قاسمی“ کے نام سے سیرت لکھی ہے۔ اس وقت میرے ہاتھ میں ”سوانح قاسمی“ کی جلد نمبر 2 اور 3 ہے۔ جلد نمبر 1 میں صفحہ نمبر 22 پر انھوں نے نانوتوی اور بٹالوی صاحب کے درمیان وہ ہونے والی گفتگو نقل کی ہے۔

نانوتوی صاحب بٹالوی صاحب سے کیا فرماتے ہیں؟ لکھا ہے کہ ”دوسرا یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں اس لیے میرے مقابلے میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہیے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے میں ان کا مقلد نہیں ہوں۔“

یعنی جب خاص موقع آیا اور دو عالموں کی بحث ہوئی تو فوراً اپنی جان چھڑائی کہ میرے خلاف فتاویٰ شامی پیش نہ کرنا نہ فتاویٰ عالمگیری پیش کرنا۔ صرف امام صاحب کا قول پیش کرنا کیوں کہ اس وقت ڈرتھا کہ فتاویٰ شامی کدھر سے ثابت کروں گا اس لیے جان چھڑائی کہ یہ میرے خلاف پیش نہ کرنا حالاں کہ دیوبندیوں کے تقریباً ہر فتوے میں شامی کا نام آتا ہے۔ بہر حال اس سے ثابت یہ ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک صرف امام کا قول حجت ہے۔

✽..... یہ میرے پاس ایک اور کتاب ہے ”فتاویٰ رضویہ“ احمد رضا خاں بریلوی کی جو

بریلویوں کے بڑے عالم تھے، جنہیں پتا نہیں کیا کیا القاب دیے جاتے ہیں۔ یہ میرے پاس ”فتاویٰ رضویہ“ کا پرانا نسخہ ہے، اس کی پہلی جلد ہے، صفحہ نمبر 381 ہے۔ انھوں نے رسالہ لکھا ہے ”اجل الاعلام ان الفتاویٰ مطلقا علی قول الامام“ کہ ”فتاویٰ صرف امام کے قول پر ہوگا“ اسی فتاویٰ کے شروع میں صفحہ نمبر 35 پر فہرست میں بھی لکھا ہوا ہے ”بے نظیر تحقیقات سے اس کا ثبوت کہ ہمیشہ ہر مسئلہ میں قول امام ہی پر فتاویٰ ہے“ یعنی یہ لوگ بھی صرف قول امام پر ہی فتویٰ کے قائل ہیں۔

یہ آپ کے سامنے تقلید کی کچھ تعریفات تھیں جو میں نے لغت سے، اصول فقہ سے، دیوبندیوں اور بریلویوں کی کتابوں سے آپ کے سامنے پیش کی ہیں اور یہ سمجھا دیا کہ یہ قرآن وحدیث کی پیروی نہیں کرتے بلکہ صرف قول امام کی آنکھیں بند کر کے، بے سوچے سمجھے، بے دلیل، اندھا دھند پیروی کرتے ہیں۔..... (جاری ہے)

ذوالنورین کی وجہ تسمیہ

محمد ارشد کمال

ثقة وصدق محدث عبد اللہ بن عمر بن ابان الجعفی (متوفی 239ھ) کہتے ہیں کہ میرے ماموں حسین الجعفی (ثقة عابد متوفی 203ھ) نے مجھ سے پوچھا: بیٹا! جانتے ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ”ذوالنورین“ کیوں کہتے ہیں؟ میں نے کہا: مجھے علم نہیں۔ انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کسی نبی کی دو بیٹیوں کو (ایک شخص کے نکاح میں) جمع نہیں کیا سوائے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان (عثمان رضی اللہ عنہ) کو ”ذوالنورین“ کہا جاتا ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی، کتاب النکاح، باب تسمیة ازواج النبی ﷺ وبناتہ . . . ، ح: 13427، معرفة الصحابة لابی نعیم، ح:

239، تاریخ دمشق: 51/39 وسندہ حسن)



محمد ارشد کمال

امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت بارہ سالوں پر محیط ہے۔ اس دوران میں ملک نے بڑی ترقی کی، بہت سے علاقے زیر نگیں ہوئے، مال کی فراوانی ہوئی لیکن افسوس کہ خلافت کے آخری دور میں آپ رضی اللہ عنہ سخت مشکلات اور مصیبتوں میں گھر گئے۔ آپ کے خلاف سازشیں ہونے لگیں اور پھر ایک ایسے فتنے نے جنم لیا جس کے نتیجے میں آپ شہید کر دیے گئے۔ آپ کی شہادت کے ساتھ ہی امت مسلمہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور فتنوں کا ایسا سیلاب امنڈ آیا جو آج تک ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔

امام ابو بکر محمد بن حسین الاجری فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ عثمان کو کس نے شہید کیا تھا تو اسے کہا جائے گا کہ (ان کو شہید کرنے والے) مختلف لوگ تھے جنہیں اللہ نے بد نصیبی کا شکار کیا کہ انھوں نے عثمان سے حسد رکھتے ہوئے اور ان کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے انھیں شہید کیا۔ وہ لوگ فتنہ پیدا کرنا چاہتے تھے اور محمد ﷺ کی امت کے درمیان اختلاف پیدا کرنا چاہتے تھے۔ دنیا میں انھیں جو بد نصیبی حاصل ہوئی وہ تو ہوئی، آخرت میں انھیں جو کچھ ملے گا وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ (الشریعة، ص: ۵۳۳)

نبوی پیشین گوئیاں:

✽ نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں اس بات کی پیش گوئی فرمادی تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آزمائش میں مبتلا ہوں گے۔

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مدینہ کے باغوں میں سے کسی باغ میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ نبی ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی جسے آپ مٹی اور پانی



میں مار رہے تھے۔ اس دوران میں ایک آدمی آیا اور اس نے دروازہ کھلوانا چاہا۔ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”دروازہ کھول دو اور اس (آنے والے) کو جنت کی خوش خبری سنا دو۔“ میں گیا تو وہاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود تھے، میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور انھیں جنت کی خوش خبری سنائی پھر ایک اور آدمی نے دروازہ کھلوانا چاہا تو آپ نے فرمایا: ”اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اسے بھی جنت کی خوش خبری سنا دو۔“ اس مرتبہ عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور انھیں جنت کی بشارت دی۔ پھر ایک تیسرے آدمی نے دروازہ کھلوانا چاہا اس وقت آپ ﷺ ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ”اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی خوش خبری سنا دو، لیکن اس کو دنیا میں آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔“ میں گیا تو وہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور جنت کی خوش خبری سنائی اور وہ بات بھی بتائی جو آپ ﷺ نے فرمائی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ ہی مددگار ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۲۱۷)

✽ آپ ﷺ نے یہ بھی پیش گوئی فرمائی تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے، آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اتنے میں پہاڑ لرزنے لگا تو آپ نے فرمایا: ”احد ٹھہر جا، کیونکہ اس وقت تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔“ (صحیح البخاری: ۳۶۷۵)

سیدنا عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو تین چیزوں سے بچ گیا وہ نجات پا گیا۔“ آپ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔ (تین چیزیں یہ ہیں):

”میری موت، فتنہ دجال اور حق پر ڈٹ جانے والے فیاض و سخی خلیفہ قتل۔“

(مسند احمد: ۱۰۶/۴ و سندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس امت میں بارہ خلیفے ہوں گے، ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ الصدیق ہوں گے تم نے انھیں اسم بامسمیٰ پایا اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ الفاروق ہوں گے (گویا) وہ لوہے کے بنے ہوئے ہیں تم نے انھیں بھی اسم بامسمیٰ پایا اور سیدنا عثمان



بن عفان رضی اللہ عنہ ذوالنورین ہوں گے وہ دو گنی رحمت سے نوازے گئے ہیں۔ مظلوم شہید کیے جائیں گے، تم نے انھیں بھی اسم بامسمیٰ پایا۔ (تاریخ دمشق: ۳۹/۴۷۶ وسندہ حسن) منسوبہ بند سازش:

شہادت عثمان کے پیچھے وہ خفیہ قوتیں تھیں جنہیں اسلام کا عروج ایک پل بھی گوارا نہ تھا۔ جہادی میدانوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں پٹنے کے بعد انھیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ اب ہم میدانوں میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے سوائے انھوں نے ایسے افراد تیار کیے جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں ان منافقین کے اس مکروہ چہرے کی خبر دے دی تھی۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا جب وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے، ہم نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا تو ہم ایک طرف جا کر جمع ہو گئیں۔ تاکہ آپ آزادی سے گفتگو کر سکیں، بات چیت ہوتی رہی۔ آخر میں آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: ”عثمان! امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا۔ اگر منافقین تم سے اس قمیص کو اتارنے کا مطالبہ کریں تو مجھے ملے تک اس قمیص کو نہ اتارنا۔“ آپ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: یہ حدیث اب تک کہاں تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: میں بھول گئی تھی، اللہ کی قسم! مجھے یاد نہیں رہی تھی۔ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بتلائی لیکن انھیں میری خبر پر تسلی نہ ہوئی یہاں تک کہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف خط لکھا کہ وہ یہ حدیث لکھ بھیجیں چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا نے ایک تحریر ان کو بھجوا دی جس میں یہ حدیث لکھی ہوئی تھی۔ (مسند احمد: ۶/۸۶، ۸۷ وسندہ صحیح)

ان منافقین نے اندر ہی اندر حکومت کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ یہ لوگ امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہر کام میں میخ نکالتے اور آپ کو ہر طریقے سے بدنام کرنے



کی کوشش کرتے۔ یوں انھوں نے بہت جلد کمزور ایمان والے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔
ابوسعید مولیٰ ابی اسید کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:
ذوالحلیفہ میں ایک قافلہ ٹھہرا ہے، میں ان کی طرف جا رہا ہوں تم میں سے جو شخص (میرے
ساتھ) جانا چاہے وہ ضرور چلے۔

ابوسعید کہتے ہیں: میں (ان کے ہمراہ) جانے والوں میں سے تھا۔ ہم ان (قافلے
والوں) کے پاس آئے وہ جانوروں کے باڑے کی چھت تلے بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے باغ
کے درمیان سے ان کو دیکھا، ان میں ایک نوجوان گود میں قرآن لیے بیٹھا تھا وہ کہنے لگا: امیر
المؤمنین! آپ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

﴿مَا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ

أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ﴾ (یونس: 59)

”جو اللہ نے تمہارے لیے رزق اتارا پھر تم نے اس میں سے کچھ حلال اور کچھ
حرام بنا لیا، کہہ دو: کیا اللہ نے تمہیں یہ اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھ
رہے ہو۔“

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک عمر نے ایک چراگاہ مقرر کی تھی اب جب صدقہ بڑھ گیا
ہے تو میں نے اس میں اضافہ کر دیا۔ بہر حال جو کوئی اس میں (اپنے جانور) چرانا چاہے وہ
چرا سکتا ہے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کرتا ہوں اور اس سے معافی مانگتا ہوں۔ یہ سن کر وہ
سب کہنے لگے: امیر المؤمنین! آپ نے (رجوع کر کے) بہت اچھا کیا ہے۔ پھر انھوں نے
کہا: امیر المؤمنین! کیا بیت اللہ کے (حج کے) لیے اجازت ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا:
میری رائے یہ تھی کہ جہاد حج سے افضل ہے (جب جہاد کے لیے اجازت ضروری ہے تو حج
کے لیے بھی ہونی چاہیے) بہر حال اب اگر تم سب کی یہ رائے ہے تو میں سب لوگوں کو
اجازت دیتا ہوں کہ جو کوئی حج کرنا چاہے وہ ضرور حج کرے (کوئی روک ٹوک نہیں)۔ میں
اللہ کے ہاں توبہ کرتا ہوں اور اس سے معافی مانگتا ہوں۔ اس پر وہ کہنے لگے: امیر المؤمنین!



بے شک آپ نے بہت اچھا کیا ہے۔ انھوں نے چند اور باتیں بھی آپ سے پوچھیں آپ نے ان سے توبہ کی اور رجوع کیا۔ ہر بار وہ یہی کہتے کہ امیر المؤمنین! آپ نے بہت اچھا کیا۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تم اپنے (علاقے کی طرف) لوٹ جاؤ اور وہ لوٹ گئے۔ پھر آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں نے ایسا کوئی قافلہ نہیں دیکھا جو امیر المؤمنین کے حق میں اس قافلے سے بہتر ہو۔ اللہ کی قسم! انھوں نے حق ہی کہا اور حق ہی پوچھا۔ پھر وہ قافلے والے آپ کی طرف واپس آ گئے۔ آپ نے انھیں جھانکا اور فرمایا: جب میں نے تمہیں حق دے دیا ہے تو پھر اب تمہیں کون سی چیز واپس میری طرف لے آئی ہے؟ انھوں نے کہا: تمہارا خط۔ آپ نے فرمایا: تم پر افسوس! اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو ہلاک نہ کرو۔ اللہ کی قسم! میں نے یہ خط نہیں لکھا اور نہ ہی میں نے لکھوایا ہے۔ یہ سن کر اشتہر کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں اس بندے کی قسم سن رہا ہوں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اس کے ساتھ چال چلی گئی ہے اور اس نے تمہارے ساتھ چال چلی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ لوگ آپ پر چڑھ دوڑھے اور (مار مار کر) آپ کو نیچے بچھا دیا حتیٰ کہ آپ شدید زخمی ہو گئے۔ یہ منظر دیکھ کر سیدنا سعد بن مالک رضی اللہ عنہ ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا: تم کس جرم میں ان کو قتل کر رہے ہو؟ جب وہ خطا پر تھے اس وقت تم نے انھیں چھوڑے رکھا اور جب وہ (خطا سے) پاک و صاف ہو گئے ہیں تو تم انھیں قتل کر رہے ہو۔ یہ سننا تھا کہ وہ لوگ ان کو بھی نیزوں کے ساتھ مارنے لگ پڑے، حتیٰ کہ وہ پہلو کے بل گر پڑے اور فرمانے لگے: آؤ، مجھے قتل کرو۔ بے شک میری ماں نے میرا نام درست رکھا تھا جس وقت اس نے میرا نام سعد (نیک بخت) رکھا تھا (کہ اب اگر امیر المؤمنین کے دفاع میں شہید ہو جاؤں تو اس سے بڑی نیک بختی کیا ہوگی) اشتہر نے آ کر ان لوگوں کو روکا اور کہا: اللہ کے بندو! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو قربانی کے جانور سمجھ لیا ہے؟ سعد وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے کہ یا اللہ! میں مکہ سے اپنے دین کو لے کر مدینہ کی طرف بھاگا تھا اور اب میں مدینہ سے واپس مکہ کی طرف بھاگ رہا ہوں۔

(تاریخ المدینة المنورة لابن شبة: ۱۹۷۱ و سندہ صحیح)



ابوسعید ہی سے مروی ہے، کہتے ہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سنا کہ اہل مصر کا ایک وفد آیا ہے تو آپ نے ان کا استقبال کیا اس وقت آپ مدینہ سے باہر ایک بستی میں تھے جب انھوں نے آپ کی ادھر موجودگی کا سنا تو وہ آپ سے ملاقات کے لیے اس جگہ آئے جہاں آپ موجود تھے۔ آپ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ وہ مدینہ میں آکر آپ سے ملیں۔ بہر حال وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: قرآن منگوائیے۔ آپ نے قرآن منگوایا تو انھوں نے کہا: ساتویں سورت نکالیں۔ وہ لوگ سورہ یونس کو ”ساتویں سورت“ کا نام دیتے تھے۔ آپ اس سورت کی تلاوت کرنے لگے یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا

قُلْ أَلَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ﴾ (یونس: 59)

”کہہ دو، کیا تم نے دیکھا جو اللہ نے تمہارے لیے رزق اتارا پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال بنا لیا۔ کہہ دو: کیا اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو۔“

تو وہ لوگ کہنے لگے: ٹھہر جائیے، بتائیے کہ تم نے جو چراگاہ بنائی ہے کیا اس کی اجازت تم کو اللہ نے دی ہے یا پھر تم اللہ پر افترا پردازی کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: اس آیت کو پیش نہ کرو، یہ تو فلاں فلاں امور کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جہاں تک چراگاہ کا تعلق ہے تو مجھ سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ چراگاہ صدقے کے اونٹوں کے لیے مخصوص کی تھی میں نے تو بس یہ کیا ہے کہ جب صدقے کے اونٹوں میں اضافہ ہو گیا تو میں نے چراگاہ کو بھی بڑھا دیا۔ لہذا یہ بات نہ کرو۔

راوی کہتا ہے: لیکن وہ لوگ اس آیت کو بنیاد بنا کر آپ کا مواخذہ کرتے رہے اور آپ یہی فرماتے رہے کہ اسے پیش نہ کرو یہ تو فلاں فلاں امور کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

راوی کہتا ہے: اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ اس وقت تک مسلمانوں میں دراڑ نہیں ڈالیں گے اور نہ ہی مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوں گے جب تک وہ



(عثمان) ان کی شرائط کو پورا کرتے رہیں گے۔ پھر آپ نے ان سے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ اہل مدینہ عطیات وصول نہ کریں کیوں کہ اس مال پر مجاہدین اور بزرگ اصحاب محمد کا حق ہے (آپ نے ان کا یہ مطالبہ بھی مان لیا) اس کے بعد وہ راضی ہو گئے اور خوشی خوشی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ آ گئے۔ مدینہ تشریف لانے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: (مدینے والو! سن لو! جس کے پاس کھیت ہیں وہ اپنے کھیتوں میں چلا جائے اور جس کے پاس دودھ دینے والے جانور ہیں وہ جا کر ان کا دودھ دو ہے، کیوں کہ اب تمھارے لیے ہمارے پاس کوئی مال نہیں ہے، یہ مال صرف مجاہدین اور محمد ﷺ کے بزرگ صحابہ کے لیے ہے۔ یہ سن کر لوگ غضب ناک ہو کر کہنے لگے: یہ بنو امیہ کا مکرو فریب ہے۔ پھر مصری وفد راضی خوشی واپس چلا گیا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھا کہ ایک سوار ان کے پاس آیا پھر وہ ان سے آگے نکل گیا پھر ان کی طرف واپس آیا پھر ان سے جدا ہوا اور انھیں گالیاں دینے لگا۔ یہ حرکت دیکھ کر انھوں نے اس سے کہا: تجھے کیا مسئلہ ہے؟ کیا تجھے کوئی حکم ملا ہے؟ یا کوئی اور معاملہ ہے؟ اس نے کہا: میں امیر المؤمنین کا قاصد ہوں اور مصر میں ان کے گورنر کے پاس جا رہا ہوں۔ تب انھوں نے اس کی تلاشی لی تو اس سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھا ہوا خط برآمد ہوا جس پر آپ کی مہر بھی ثبت تھی اور وہ مصر کے گورنر کے نام لکھا گیا تھا۔ جس میں اسے حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس وفد کے ارکان کو سولی دے دے یا انھیں قتل کر دے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے۔ یہ دیکھ کر وہ وہیں سے پلٹے اور مدینہ آ گئے یہاں وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے کہنے لگے: کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اس (عثمان) نے ہمارے بارے میں یہ حکم دیا ہے؟ آپ اس کے پاس جانے کے لیے ہمارے ساتھ آئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ انھوں نے کہا: پھر آپ نے ہماری طرف (اپنی حمایت اور بغاوت عثمان کے لیے) خط کیوں لکھے تھے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے تو کبھی تمھاری طرف کوئی خط نہیں لکھا۔ یہ سن کر وہ ایک دوسرے کی طرف (تعجب سے) دیکھنے لگے اور کہنے لگے: کیا تم اس شخص کی



خاطر لڑتے پھرتے ہو اس کی خاطر غیض و غضب میں مبتلا ہو؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ چل پڑے اور مدینہ سے نکل کر ایک بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر وہ لوگ خود ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم نے اس اس طرح کا خط ہمارے خلاف لکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: دو ہی صورتیں ہیں یا تو دو مسلمان آدمی میرے خلاف گواہی دے دیں یا پھر میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کہ نہ میں نے یہ خط لکھا ہے اور نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے۔ اور یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ خط کسی دوسرے آدمی کی طرف سے بھی لکھا جاسکتا ہے (یعنی جعلی خط بھی لکھا جاسکتا ہے) اور مہر جیسی دوسری مہر بھی بنوائی جاسکتی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر انھوں نے آپ کو قصر خلافت میں محصور کر دیا۔ (المصنف لابن ابی شیبہ : ۳۸۸۴۵۔ فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل : ۷۶۵، واللفظ له، وسنده صحيح)

ان روایتوں سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک بہت بڑی منصوبہ بند سازش کے ذریعے شہید کیا گیا اور اس کے پیچھے وہی لوگ تھے جنہیں اسلام کی ترقی اور امن و امان گوارا نہ تھا۔ پہلے امیر المؤمنین کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کرنا، پھر لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکانا اور براہ راست لوگوں کے سامنے خلیفہ سے مناظرہ اور مجادلہ پر اتر آنا، اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نام سے منسوب جعلی اور من گھڑت خطوط کو پھیلانا، اسی منظم سازش کا حصہ تھا۔ غور طلب بات ہے کہ مصری وفد جب اپنے مطالبے منوا کر واپس جا رہا تھا تو ایک قاصد کا ان سے ملنا، کبھی آگے بڑھنا، کبھی پیچھے ہونا اور پھر بلاوجہ انھیں گالیاں دینا یہ اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خط لکھنا اور مہر عثمانی جیسی مہر لگانا یہ سب ایک پلاننگ تھی۔ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے، ان کا اتحاد ختم کرنے، معاشرے کا امن و سکون برباد کرنے اور اسلامی مملکت کو اندر سے سیوتاڑ کرنے کے لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو راستے سے ہٹانے کا ایک منصوبہ تھا۔ اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قاصد کو خط دے کر بھیجا ہوتا تو اسے بار بار قافلے سے ملنے اور انھیں گالیاں دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اسے تو چاہیے تھا کہ وہ قافلے سے

نظر بجا کر نکلتا اور ان سے پہلے مصر جا پہنچتا۔ انا لله وانا اليه راجعون۔

☆ خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ:

باغیوں نے قصر خلافت کو گھیرے میں لے کر امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نظر بند کر دیا اور خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کرنے لگے لیکن آپ ان کا یہ مطالبہ ماننے سے انکاری تھے کیونکہ:

✽ ایک تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وصیت فرمائی تھی کہ منافقین کے مطالبے پر خلافت مت چھوڑنا، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا جب وہ آئے تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے ہم نے جب آپ کو اس حالت میں دیکھا تو ایک طرف جا کر جمع ہو گئیں تاکہ آپ آزادی کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔ بات چیت ہوتی رہی۔ آخر میں آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا: ”عثمان! امید ہے کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا اگر منافقین تم سے اس قمیص کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو مجھے ملنے تک اس قمیص کو مت اتارنا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔ (مسند احمد: ۶/۸۶ وسندہ صحیح)

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ”میرے بعد بارہ خلیفے ہوں گے ان میں سے ابو بکر بھی ہیں اور پورے جزیرۃ العرب پر حکمرانی کرنے والا بھی ہے جس کی زندگی قابل ستائش اور موت شہادت والی ہوگی۔“ ایک شخص نے پوچھا: وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ”عمر بن خطاب“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”عثمان! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں (خلافت کی) قمیص پہنائے اور لوگ تجھ سے اس قمیص کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو اسے مت اتارنا۔ اللہ کی قسم! اگر تو نے اسے اتار دیا تو جنت نہیں دیکھے گا، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی: ۸۷۴۰۔ تاریخ دمشق: ۳۹/۱۸۳)

وسندہ حسن)



✽ دوسرا کبار صحابہ کا بھی یہی مشورہ تھا کہ آپ خلافت نہ چھوڑیں، چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ محاصرے کے دوران میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے مشورہ طلب کرتے ہوئے فرمایا: مغیرہ بن احنس کے قول کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا: وہ کیا کہتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: وہ کہتا ہے کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور اس چیز کو چھوڑ دیں جو ان کے اور آپ کے درمیان ہے۔ میں (عبد اللہ) نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ دستبردار ہو گئے تو کیا آپ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے؟ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: اگر آپ دستبردار نہ ہوں تو کیا وہ آپ کے ساتھ قتل سے بڑھ کر کوئی معاملہ کر سکتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: کیا وہ جنت اور دوزخ کے مالک ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ تو میں نے کہا: پھر میں تو یہ ٹھیک نہیں سمجھتا کہ آپ اسلام میں یہ طریقہ جاری کر دیں کہ جب کوئی قوم امیر سے ناراض ہو تو وہ اسے (امارت سے) اتار دیں اور نہ ہی میں یہ ٹھیک سمجھتا ہوں کہ جو قمیص اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنائی ہے آپ اسے (لوگوں کے مطالبے پر) اتار دیں۔ (تاریخ المدینة المنورة: ۲۱۵۲ وسندہ صحیح)

باغیوں کا کمینہ پن:

محاصرے کے دوران میں باغیوں نے ایسی ایسی حرکتیں کیں جو رسول اللہ ﷺ کے پاک اور امن والے شہر مدینہ میں اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھیں۔ ظالموں نے آپ کا پانی بند کر دیا، آپ کو مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ ابوسعید مولیٰ ابواسید کہتے ہیں کہ ان (باغیوں) نے آپ کو قصر خلافت میں محصور کر دیا تو ایک دن آپ نے گھر کی چھت سے ان کی طرف جھانکا اور السلام علیکم کہا، لیکن کسی آدمی کو بھی آپ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے نہیں سنا گیا، ہاں اگر کسی نے دل میں خاموشی سے جواب دیا ہو تو الگ بات ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں پتا ہے کہ میں نے میٹھا پانی حاصل کرنے کے لیے اپنے مال سے ہر رومہ خریدا تھا اور میرا اس



میں اتنا ہی حصہ تھا جتنا کہ عام مسلمانوں کا؟ جواب آیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر تم مجھے اس کا پانی پینے سے کیوں روکتے ہو؟ یہاں تک کہ مجھے سمندر کے (کھاری) پانی سے روزہ افطار کرنا پڑ رہا ہے؟ آپ نے مزید فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمہیں پتا ہے کہ میں نے اتنی اتنی زمین خرید کر مسجد نبوی کی توسیع کی تھی؟ جواب ملا: جی ہاں۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تم ایسے کسی بھی شخص کو جانتے ہو جسے مجھ سے پہلے مسجد میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہو؟ جواب آیا۔ نہیں۔ (فضائل الصحابة لاحمد: ۷۶۵۔ المصنف لابن ابی شیبہ:

۳۸۸۴۵ وسندہ صحیح)

باغیوں کی طرف سے آپ پر شدید سنگ باری بھی کی گئی۔ چنانچہ ابان بن عثمان کا بیان ہے کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر مسلسل سنگ باری کی جانے لگی تو وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: چچا جان! ہمیں تو پتھروں نے مار ڈالا۔ یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو باغیوں نے ان کے دائیں بائیں اس قدر پتھر برسائے کہ ان کے دونوں کندھے بے حس ہو کر رہے گئے تو انھوں نے فرمایا: بھتیجے! اپنے رعب اور وقار کو قائم رکھو اور ایسے ہی کرو جیسے میں کر رہا ہوں۔ (تاریخ دمشق: ۳۹/۳۶۸، ۳۶۹ وسندہ حسن)

قتل کی دھمکیاں:

باغیوں کو جب اپنی دال گلتی نظر نہ آئی تو وہ آپ کو قتل کی دھمکیاں دینے پر اتر آئے، وہ کہتے تھے کہ چونکہ اس شخص نے ہمارے ساتھ بدعہدی کی ہے۔ اس لیے اب اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس کا خون حلال کر دیا ہے اور ہمارے درمیان طے پانے والے تمام عہد و پیمان بھی اب ختم ہو چکے ہیں۔ (المصنف لابن ابی شیبہ: ۳۸۸۴۵ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو امامہ بن سہیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں تھے جب کہ وہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ گھر میں ایک ایسی جگہ تھی کہ جو وہاں داخل ہوتا وہ مقام بلاط پر بیٹھے لوگوں کی باتیں سن سکتا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس جگہ گئے اور پھر ہمارے ہاں واپس آئے تو ان کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ لوگ اب مجھے قتل کر دینے کی دھمکیاں



دینے لگے ہیں۔ ہم نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ عزوجل ان کی جانب سے آپ کو کافی ہے۔ انھوں نے کہا: یہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: ”کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے اس کے کہ اس سے تین باتوں میں سے کوئی ایک صادر ہو: اسلام کے بعد کفر۔ شادی شدہ ہونے کے بعد زنا یا قصاص کے بغیر کسی کو قتل کرنا۔“ اللہ کی قسم! میں نے کبھی زنا نہیں کیا، جاہلیت میں نہ اسلام لانے کے بعد اور جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت نصیب فرمائی ہے میں نے کبھی نہیں چاہا کہ میرا اس (اسلام) کے بدلے کوئی اور دین ہوتا اور میں نے کسی کو قتل بھی نہیں کیا تو پھر یہ لوگ میرے قتل کے درپے کیوں ہیں؟ (سنن ابی داؤد: ۴۵۰۲ وسندہ صحیح)

دوران محاصرہ باغیوں سے خطاب:

✽ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ ظالم قتل کے بغیر ٹلنے والے نہیں تو آپ نے اتمام حجت کے طور پر ان کے سامنے مختلف تقریریں کیں۔ یہ تقریریں نہایت پرسوز تھیں ان میں آپ نے انھیں وہ مواقع یاد کرائے جب نبی ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی تھی۔

ثقفہ تابعی ابو عبد الرحمن السلمي کہتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو انھوں نے اپنے گھر کے اوپر سے جھانک کر ان (باغیوں) سے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اور یہ قسم صرف نبی کے اصحاب کو دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ”جس نے بڑ رومہ جاری کیا اس کے لیے جنت ہے۔“ تو میں نے اسے کھود کر وقف کیا تھا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: ”جو کوئی غزوہ تہوک کے لیے لشکر تیار کرے اس کے لیے جنت ہے۔“ تو میں نے لشکر تیار کیا تھا؟ تو لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کلام کی تصدیق کی۔ (صحیح البخاری: ۲۷۷۸)

✽ ایک موقع پر آپ نے باغیوں سے مخاطب ہو کر یہ بھی پوچھا کہ تم مجھے کس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو۔ شریعت نے جن تین صورتوں میں قتل کی اجازت دی ہے میں نے ان

میں سے کسی کا بھی ارتکاب نہیں کیا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے تو انھوں نے اپنے گھر کے اوپر سے مجمع کی طرف جھانکا اور فرمایا: تم مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے اس کے کہ اس سے تین باتوں میں سے کوئی ایک صادر ہو: وہ آدمی جو شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے تو اسے رجم کیا جائے گا۔ یا جس نے (کسی بے گناہ کو) جان بوجھ کر قتل کیا تو اس پر قصاص ہے۔ یا وہ شخص جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔“ اللہ کی قسم! میں نے کبھی زنا نہیں کیا، جاہلیت میں اور نہ ہی اسلام میں اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے کہ جس کا مجھ سے قصاص لیا جائے اور جب سے اللہ نے مجھے ہدایت نصیب فرمائی ہے میں نے کبھی نہیں چاہا کہ مرتد ہو جاؤں۔ بے شک میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (مسند احمد: ۱/ ۶۳ و سندہ صحیح)

✽ جب باغیوں نے آپ کا پانی بند کر دیا اور آپ کو مسجد میں جانے سے روک دیا تو آپ نے انھیں مخاطب کیا۔

ابوسعید مولیٰ ابی اسید کہتے ہیں: ان (باغیوں) نے آپ کو قصر خلافت میں محصور کر دیا تو ایک دن آپ نے اپنے گھر کی چھت سے انھیں جھانکا اور السلام علیکم کہا لیکن کسی آدمی کو بھی آپ کا جواب دیتے ہوئے نہیں سنا گیا، ہاں اگر کسی نے دل میں خاموشی سے جواب دیا ہو تو الگ بات ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تمھیں پتا ہے کہ میں نے میٹھا پانی حاصل کرنے کے لیے اپنے مال سے بڑا رومہ خریدا تھا اور اس میں میرا اتنا ہی حصہ تھا جتنا کہ عام مسلمانوں کا۔ جواب آیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر تم مجھے اس کا پانی پینے سے کیوں روکتے ہو؟ یہاں تک کہ مجھے سمندر کے (کھاری) پانی سے روزہ افطار کرنا پڑتا ہے؟ آپ نے مزید فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمھیں پتا ہے کہ میں نے اتنی اتنی زمین خرید کر مسجد نبوی کی توسیع کی تھی؟ جواب ملا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: کیا تم

ایسے کسی بھی شخص کو جانتے ہو جسے مجھ سے پہلے اس مسجد میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہو؟ جواب آیا: نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے میرے بارے میں کسی چیز کا اس طرح ذکر فرمایا ہو؟ ابوسعید کہتے ہیں: میرے خیال میں آپ ﷺ نے مفصل سورتوں (سورہ حجرات سے سورہ الناس تک) کی کتابت کا ذکر کیا پھر محاصرے کی خبر پھیل گئی اور لوگ کہنے لگے: امیر المؤمنین سے رک جاؤ۔ امیر المؤمنین سے رک جاؤ۔

ابوسعید کہتے ہیں: پھر اشتہر کھڑا ہوا مجھے نہیں معلوم کہ وہ اسی دن کھڑا ہوا یا کسی اور دن۔ وہ کہنے لگا: ممکن ہے کہ عثمان اور تم لوگوں کے ساتھ کوئی چال چلی گئی ہو۔ تو باغیوں نے اسے پاؤں تلے روند ڈالا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر ان کی طرف جھانکا اور پند و نصائح کیں مگر ان پر کسی چیز کا کوئی اثر نہ ہوا۔ لوگوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ پہلی دفعہ نصیحت سنتے تو اس کا اثر لیتے لیکن جب انھیں دوبارہ نصیحت کی جاتی تو ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ (فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل: ۷۶۵۔ المصنف لابن ابی شیبہ: ۳۸۸۴۵ وسندہ صحیح)

✽ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تنبیہ بھی کی کہ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو یاد رکھو نہ تم کبھی اکٹھے نماز پڑھو گے نہ دشمن سے جنگ کرو گے۔

ابو یعلیٰ الکندی کہتے ہیں کہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، جب کہ وہ محصور تھے تو انھوں نے ایک کھڑکی میں سے سے جھانکا اور فرمایا: لوگو! مجھے قتل نہ کرو (اگر میری کوئی غلطی ہے تو) مجھ سے (اس کی) توبہ کروالو۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر کبھی تم لوگ نہ تو اکٹھے ہو کر نماز پڑھو گے اور نہ کبھی اکٹھے ہو کر دشمن سے جہاد کرو گے اور تم ضرور ضرور باہم اختلافات کا شکار ہو جاؤ گے۔ یہاں تک کہ تم اس طرح ہو جاؤ گے۔ اور انھوں نے اپنی انگلیاں ایک دوسری میں داخل کیں (یعنی تم ایک دوسرے سے اس طرح گتھم گتھا ہو جاؤ گے) پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَيَقَوْمٌ لَا يَعْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ط وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ﴾ (هود: 89)

”اے میری قوم! میری مخالفت تمہیں اس کا مستحق ہرگز نہ بنا دے کہ تمہیں اس جیسی مصیبت آپہنچے جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچی تھی اور قوم لوط بھی ہرگز تم سے کچھ دور نہیں ہے۔“

پھر آپ نے سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور فرمایا: تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا: بس بس، آپ نے ان پر حجت تمام کر دی ہے۔ (الطبقات لابن سعد: ۶۷/۳ - المصنف لابن ابی شیبہ: ۳۸۲۳۵ و سندہ حسن)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باغیوں کو نصائح:

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی باغیوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن ان باغیوں پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

سیدنا عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ مدینہ کے قریب رہائش پذیر تھے۔ وہ ہر جمعہ گدھے پر سوار ہو کر مدینہ تشریف لاتے اور نماز جمعہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹ جاتے۔ جب باغی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے براہِ بیعت ہوئے تو وہ (عبد اللہ بن سلام) ان کے پاس آئے اور فرمایا: لوگو! عثمان کو قتل نہ کرو اور (اگر ان کی کوئی غلطی ہے تو) ان سے توبہ کروالو۔ کیوں کہ دنیا میں کوئی امت ایسی نہیں ہے جس نے اپنے نبی کو قتل کیا ہو اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے کی کبھی اصلاح کی ہو یہاں تک کہ انھوں نے آپس میں ستر ہزار لوگوں کا خون نہ بہا لیا ہو۔ اور نہ ہی کوئی ایسی امت ہے جو اپنے خلیفہ کو قتل کرے اور پھر اللہ ان کے معاملے کی کبھی اصلاح کرے یہاں تک کہ وہ اپنے چالیس ہزار لوگوں کو قتل نہ کر لیں۔ اور کوئی امت ہلاک نہ ہوگی جب تک کہ وہ سلطان وقت کے خلاف قرآن نہ اٹھائیں۔

راوی سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے حمید بن ہلال سے پوچھا: سلطان وقت کے خلاف

قرآن اٹھانے سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا: کیا تم نے نفسانی خواہشات کے پجاریوں کی طرف نہیں دیکھا کہ کس طرح قرآن کی غلط تاویل کرتے اور اس کی آڑ میں سلطان پر لعن طعن کرتے ہیں۔

(بہر حال سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا) تم عثمان کو قتل نہ کرو، لیکن ان (باغیوں) نے اس سے انکار کر دیا، پھر جب ان لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے راستے میں بیٹھ گئے یہاں تک کہ جب وہ تشریف لائے تو سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: علی! آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: عراق جانا چاہتا ہوں؟ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی طرف لوٹ جائیں اس لیے کہ اگر آپ (اب) اس سے جدا ہو گئے تو پھر اسے کبھی دیکھ نہیں سکیں گے۔ یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کسی ساتھی نے کہا: اگر اجازت ہو تو ہم اسے قتل کر دیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رک جا، یہ عبد اللہ بن سلام ہیں۔ یہ ہم میں سے نیک آدمی ہیں۔ (السنة

للخلال: ۷۱۱۔ تاریخ دمشق: ۳۹/۳۵۳ و سندہ صحیح)

ثقفہ تابعی کثیر بن افرح سے مروی ہے کہ وہ سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اس وقت وہ (عبد اللہ) لوگوں کے ہجوم میں سے گزر رہے تھے اور فرما رہے تھے: اللہ سے ڈرو، عثمان کو قتل نہ کرو کیوں کہ عثمان کا تم پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ باپ کا اپنے بیٹے پر ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا: ہم انھیں قتل کر دیں گے؟ نہیں۔ اللہ کی قسم! ہم انھیں قتل نہیں کریں گے۔ سیدنا عبد اللہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم ضرور ضرور انھیں قتل کرو گے۔ آپ مسلسل ان (عثمان) کے قتل کی مخالفت کرتے رہے یہاں تک کہ میں (کثیر بن افرح) نے اپنے دل میں صاف محسوس کیا (کہ آپ کس قدر سختی سے روک رہے ہیں)۔ (تاریخ المدینة المنورة: ۲۰۵۱، و سندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ دوران محاصرہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان سے مشورہ کرتے تھے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ان لوگوں کے بارے



میں کیا کہتے ہو؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میرا خیال ہے کہ یہ لوگ آپ سے جو چیز مانگ رہے ہیں آپ انھیں وہ دے ہی دیں۔ ہاں خلافت کا جو کرتا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنایا ہے اسے آپ (ان کے مطالبے پر) نہ اتاریں۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اپنا حصہ لے لو اور وہ ان پر کچھ خفا تھے۔ انھوں نے کہا: یہ ایسا دن نہیں ہے (کہ اس میں عطیہ لیا جائے) پھر ابن عمر ان (باغیوں) کے پاس آئے اور کہا: تم اس بزرگ کو قتل کرنے سے بچو۔ اللہ کی قسم! اگر واقعی تم نے ان کو قتل کر دیا تو نہ کبھی اکٹھے ہو کر بیت اللہ کا حج کر سکو گے، نہ کبھی اکٹھے ہو کر اپنے دشمن سے جہاد کر سکو گے اور نہ کبھی اکٹھے ہو کر اپنا مال غنیمت تقسیم کر سکو گے۔ ہاں، جسم اور مختلف خواہشات اکٹھی ہو جائیں گی۔ اللہ کی قسم! بلاشبہ میں نے اپنے آپ کو اور کثیر تعداد میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو دیکھا، ہم کہتے تھے: ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان۔ (تاریخ دمشق:

۳۵۶/۳۹ وسندہ حسن)

لڑائی سے گریز:

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو امت میں خون ریزی اور خانہ جنگی گوارا نہ تھی۔ باغیوں نے آپ کا پانی بند کر دیا۔ مسجد جانے سے روک دیا لیکن آپ نے ان تمام مصائب کو حیرت انگیز صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیا اور اپنی حمایت میں کسی کو بھی جنگ کی اجازت نہ دی اور نہ اپنے ذاتی تحفظ کے لیے مدینہ الرسول کی حرمت پر آنچ آنے دی۔

سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: محاصرے کے دن میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ باہر نکلیں اور ان (باغیوں) سے لڑائی کریں۔ آپ کے ساتھ وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اس وقت بھی مدد کی تھی جب وہ اس سے بھی کم تھے۔ اللہ کی قسم! ان لوگوں سے لڑنا حلال ہو چکا ہے۔ سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے لڑائی سے انکار کر دیا اور فرمایا: جس پر میری سمع و طاعت فرض ہے وہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اس دن قصر خلافت کا امیر مقرر کیا تھا اور خود اس دن روزے سے تھے۔ (الطبقات لابن سعد: ۶۷/۳ - المصنف لابن ابی شیبہ: ۳۸۲۳۸)



وسندہ صحیح)

عبداللہ بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: بے شک تم میں سے میرا سب سے بڑا معاون و مددگار وہ ہے جو (آج) اپنے ہتھیار اور ہاتھ روک لے گا۔ (المصنف لابن ابی شیبہ: ۳۸۲۳۶ وسندہ صحیح)

ابوحیبہ کہتے ہیں کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے محاصرے کے ایام میں مجھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، میں سخت گرمی کے دن ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ٹیک والے پلنگ پر تشریف فرما تھے، ان کے پاس سیدنا حسن بن علی، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پانی سے بھرے ہوئے ٹب پڑے تھے اور ایک پاٹ کی چادر رکھی ہوئی تھی (یعنی وہ چادر جس میں جوڑ نہیں ہوتا)۔ میں نے کہا: مجھے زبیر نے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں آپ کا مطیع ہوں نہ میں بدلوں گا اور نہ بیعت توڑوں گا۔ لہذا اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے گھر میں آجاتا ہوں اور قوم میں شامل ہو جاتا ہوں اور اگر آپ چاہیں تو میں یہیں قیام کرتا ہوں، نیز بنی عمرو بن عوف نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ کل صبح وہ میرے گھر آئیں گے پھر جو میں انھیں حکم دوں گا وہ اس کی تعمیل کریں گے۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام سنا تو فرمایا: اللہ اکبر، سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے میرے بھائی کو محفوظ رکھا۔ میرا انھیں سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ وہ میرے گھر میں آجائیں اور قوم ہی کے ایک فرد بن جائیں کیوں کہ ان کا مقام و مرتبہ مجھے بہت محبوب ہے۔ شاید ان کی وجہ سے اللہ میری اس آزمائش کو ٹال دے۔

جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام سنا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں آپ لوگوں کو وہ حدیث نہ سناؤں جسے میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ لوگوں نے کہا: جی سنائیں۔ تو انھوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ میرے بعد (عجیب و غریب) فتنے، معاملات اور نئے نئے امور رونما ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ان سے نجات پانے کی جگہ کہاں ہوگی، تو آپ نے فرمایا: ”امین اور

اس کی جماعت کے پاس۔“ اور آپ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ (ابو ہریرہ سے) یہ سن کر لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ہمیں بصیرت حاصل ہو گئی ہے، سو آپ ہمیں جنگ کا حکم دیں لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس بھی شخص پر میری اطاعت لازم ہے، میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ جنگ نہ کرے۔ پھر آپ کے قاتلوں نے بنی عمرو بن عوف کے وقت مقررہ سے پہلے ہی آپ کو شہید کر دیا۔ (فضائل الصحابة لاحمد: ۸۳۶ وسندہ حسن)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اپنے ساتھیوں کو باغیوں کے خلاف جنگ کی اجازت نہ دینے کا سب سے بڑا سبب وہ وصیت تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کی تھی۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے آخری ایام میں) فرمایا: ”میرے ایک صحابی کو بلاؤ۔“ میں نے کہا: ابوبکر کو؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ میں نے کہا: عمر کو؟ فرمایا: ”نہیں۔“ میں نے کہا: آپ کے چچا زاد علی کو؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ میں نے کہا: عثمان کو؟ فرمایا: ”ہاں۔“ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ”تم ذرا ایک طرف ہو جاؤ۔“ پھر آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ چپکے سے باتیں کرنا شروع کیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا رنگ فق ہونے لگا۔ (ابوسہلہ راوی حدیث کہتے ہیں) پھر جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر میں محصور کر دیا گیا تو ہم نے کہا: امیر المؤمنین! آپ ان سے لڑتے کیوں نہیں؟ انھوں نے نے فرمایا: نہیں۔ (وجہ یہ ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک وعدہ لیا تھا اور میں اس (وعدے) پر صبر کرنے والا ہوں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۱۳۔ مسند احمد: ۵۲/۶ واللفظ لہ۔ وسندہ صحیح) اس وعدے سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی وصیت ہے کہ تم مفسدین کے غلط مطالبات کے سامنے مت جھکنا اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا۔

کیا نبی ﷺ کا سایہ نہیں تھا؟

مولانا خاور رشید بٹ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کا سایہ نہیں تھا اور وہ یہ دعویٰ اس قدر وثوق اور یقین کے ساتھ کر جاتے ہیں کہ گویا وہ پیارے نبی ﷺ کے ساتھ چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے رہے ہیں، دراصل ان کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ چونکہ آپ ﷺ نوری مخلوق تھے اور نوری مخلوق کا سایہ نہیں ہوتا، آپ ﷺ نوری تھے یا نہیں؟ یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ سطور ذیل میں ہم صرف اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ تھا یا نہیں؟ اور یہ بھی بتائیں گے کہ آیا نوری مخلوق سایہ رکھتی ہے یا نہیں؟

عمومی دلائل:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلُّهُمْ بِالْاَصَاِلِ ۝﴾ (الرعد: 15)

”اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اللہ ہی کو سجدہ کر رہا ہے خوشی اور ناخوشی سے اور ان کے سائے بھی پہلے اور پچھلے پہر۔“

معلوم ہوا کہ آسمان و زمین میں جو بھی ہیں وہ سب سایہ رکھتے ہیں اس میں نوری مخلوق یعنی فرشتے بھی شامل ہیں اور رسول اللہ ﷺ سمیت انبیاء کرام اور تمام مخلوق شامل ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اَوْ لَمْ يَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَبَّهَوْا ظِلُّهُ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّجَایِلِ ۝﴾ (النحل: 48)

”کیا انھوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا کی ہیں خواہ کوئی بھی چیز ہو کہ اس کے سائے دائیں طرف سے اور بائیں طرفوں سے اس کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔“

غور فرمائیں کتنے واضح الفاظ ہیں جن سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کا

سایہ ہوتا ہے۔

خصوصی دلائل:

یہ تو تھے چند عمومی دلائل جو اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ اللہ کی پیدا کردہ ہر چیز سایہ رکھتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر چیز سایہ رکھتی ہے تو لازماً رسول اللہ ﷺ کا بھی سایہ تھا کیوں کہ آپ ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی کوئی بھی صحیح و صریح دلیل نہیں ہے۔ جب کہ ایسے کئی دلائل ہیں جن سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ تھا۔ ایسے ہی چند دلائل جن میں خصوصی طور پر رسول اللہ ﷺ کے سائے کا ذکر ہے درج ذیل ہیں:

✽ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی درآں حالیکہ آپ نماز پڑھا رہے تھے آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا پھر پیچھے کر لیا پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ نے اس نماز میں ایک ایسا کام کیا ہے جو آپ نے اس سے پہلے کسی نماز میں نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ میرے سامنے جنت پیش کی گئی میں نے اس میں دیکھا کہ اس کے پھل اور میوے قریب اور جھکے ہوئے ہیں اور اس کا دانہ کدو جیسا (موٹا تازہ) ہے چنانچہ میں نے ان میووں میں سے لینا چاہا تو جنت کو حکم دیا گیا کہ پیچھے ہٹ جا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔ پھر میرے سامنے جہنم پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے درمیان میں تھی ((حَتَّى رَأَيْتُ ظِلِّي وَظِلَّكُمْ)) یہاں تک کہ (اس کی روشنی میں) میں نے اپنا سایہ اور تمہارا سایہ دیکھا۔ میں نے تمہاری طرف اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ، تو میری طرف وحی آئی کہ ان کو ان کی جگہ پر ٹکے رہنے



دو..... الخ (صحیح ابن خزیمة: 892، مستدرک حاکم: 4/456)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اسے امام ابن خزیمة، حاکم، ذہبی اور دیگر علماء نے ”صحیح“ کہا ہے۔ اس حدیث سے کس قدر واضح طور پر یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ تھا کیوں کہ آگ کی روشنی میں آپ نے اپنا بھی اور صحابہ کا بھی سایہ دیکھا اگر آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا تو اپنا سایہ دیکھنے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

✽ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ تھے، نبی ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا ہے اگر تو اسے اپنا فالٹو اونٹ دے دے تو بہتر ہوگا۔“ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا میں اس یہودیہ کو اونٹ دوں؟ (یہ نازیبا کلمات سن کر) رسول اللہ ﷺ نے ذوالحجہ اور محرم، دو یا تین مہینے تک سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جانا ہی چھوڑ دیا۔ زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں آپ ﷺ سے ناامید ہو گئی تھی اور میں نے اپنی چار پائی بھی وہاں سے ہٹا لی تھی۔ فرماتی ہیں: ((فَبَيْنَمَا أَنَا يَوْمًا بِنَصْفِ النَّهَارِ، إِذَا أَنَا بِظِلِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مُقْبِلٍ)) میں اسی حالت میں تھی کہ ایک دن دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کا سایہ دیکھا جو میری طرف آ رہا تھا۔

(مسند احمد: 6/131-132: 25002)

اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے، اس حدیث کی راویہ شمیمہ سے امام شعبہ بن حجاج نے بھی روایت کیا ہے اور امام شعبہ بن حجاج حتی الامکان اپنے نزدیک عام طور پر ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں امام یحییٰ بن معین نے شمیمہ کو ثقہ کہا ہے۔ (دیکھیں تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: 48) اس حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کے سائے کا واضح الفاظ میں ذکر ہے۔ دوسری روایت میں ہے: ((فَلَمَّا كَانَ شَهْرُ رَبِيعِ الْأَوَّلِ دَخَلَ عَلَيْهَا فَرَأَتْ ظِلَّهُ فَقَالَتْ: إِنَّ هَذَا لَظِلُّ رَجُلٍ.)) ”جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ ﷺ ان



(نمیب) کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے آپ کا سایہ دیکھا، کہنے لگی: یہ تو کسی مرد کا سایہ ہے۔ نبی ﷺ تو میرے پاس آتے نہیں، پھر یہ سایہ کس کا ہے؟ اتنے میں نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے تو جب انھوں نے آپ کو دیکھا تو عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کے آنے سے مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں.....

(ایضاً: 338/6 وسندہ صحیح)

ان صحیح اور صریح احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ تھا۔

سایہ نہ ہونے کے متعلق ایک روایت کا جائزہ:

کسی بھی صحیح یا حسن روایت سے قطعاً یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے حکیم ترمذی کے حوالے سے ایک روایت ذکر کی ہے۔ لکھتے ہیں: حکیم ترمذی نے عبدالرحمن بن قیس کے طریق سے عبدالملک بن عبداللہ بن ولید سے انھوں نے ذکوان سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تو سورج میں نظر آتا تھا اور نہ چاند میں..... (الخصائص الكبرى: 71/1)

اس روایت کے متعلق چند باتیں ملاحظہ کریں:

(1)..... پہلی بات یہ ہے کہ یہ روایت ہی قابل احتجاج نہیں کیوں کہ اس کی سند میں عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی ہے۔ اس کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لم یکن بشی، حدیثہ حدیث ضعیف..... متروک الحدیث، یہ محض بیچ ہے اس کی روایت ضعیف ہے اور یہ متروک الحدیث ہے۔ (العلل ومعرفة الرجال: 748)

امام ابو زرہ فرماتے ہیں: کان کذابا، یہ کذاب تھا۔ (الجرح والتعديل: 278/5)

امام نسائی فرماتے ہیں: متروک الحدیث، (الضعفاء والمتروکین: 206/1)

ابو نعیم الاصبہانی فرماتے ہیں: لا شئی، یہ کچھ بھی نہیں۔ (الضعفاء للاصبہانی: 12)

امام ابن عدی فرماتے ہیں: عامة ما يرويه لا يتابعه الثقات عليه، اس کی



اکثر احادیث میں ثقافت نے اس کی متابعت نہیں کی۔ (الکامل فی ضعف الرجال: 291/4) دیگر ائمہ کرام نے بھی اس پر جرح کی ہے۔

(2)..... دوسری بات یہ ہے کہ ذکوان تابعی ہے اور اس نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا تو کیسے ان کی بات تسلیم کر لی جائے؟

(3)..... تیسری بات یہ ہے کہ ملا علی القاری رقم مطراز ہیں: حکیم ترمذی نے یہ روایت اپنی کتاب ”نوادر الاصول“ میں عبدالرحمن بن قیس سے ذکر کی ہے اور عبدالرحمن مطعون ہے اس نے عبدالملک بن عبداللہ بن ولید سے روایت کی ہے اور وہ مجہول ہے اور اس نے ذکوان سے روایت کی ہے۔ (شرح الشفاء: 282/3، طبع مصر، بحوالہ تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین، ص: 94) اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت بے سرو پا اور ناقابل اعتبار ہے، لہذا اس طرح کی کمزور اور بے سرو پا روایتوں کو بنیاد بنا کر عقیدہ ثابت کرنا کہاں کا اصول ہے؟ حالاں کہ یہ بعض الناس جو ظل رسول کے منکر ہیں ان کے نزدیک عقیدے میں صحیح حدیث جو خبر واحد ہو وہ بھی قبول نہیں چہ جائیکہ وہ ضعیف موضوع اور من گھڑت ہو۔ بہر حال یہ روایت سخت ضعیف ہے اور اس کے مقابلے میں صحیح اور صریح احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے سائے کا ثبوت موجود ہے۔

کیا نور کا سایہ نہیں ہوتا؟

باقی رہا یہ مسئلہ کہ نوری مخلوق سایہ رکھتی ہے یا نہیں؟ تو صحیح احادیث میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ نوریوں کا بھی سایہ ہوتا ہے۔ امام بخاری نے اپنی ”الصحيح“ میں باب باندھا ہے: ”باب ظل الملائكة على الشهيد“ ”باب ہے شہید پر فرشتوں کا سایہ کرنا۔“ اور پھر یہ حدیث ذکر کی: ”سیدنا جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد گرامی کو نبی ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں لایا گیا کہ ان کا مثلہ کیا گیا تھا، میں نے ان کے چہرے سے کپڑا اٹھانا چاہا تو میری قوم نے مجھے منع کر دیا، اس دوران میں آپ نے ایک

چلانے والی عورت کی آواز سنی اور کہا گیا کہ یہ عمرو کی بیٹی یا اس کی بہن ہے، آپ نے فرمایا: ”تم کیوں روتی ہو؟“ فرمایا: ”اس پر مت روو۔“ ((مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنَحَتِهَا)) اس پر تو فرشتوں نے برابر اپنے پروں سے سایہ کر رکھا ہے۔“ (صحیح البخاری: 2816) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا بھی سایہ ہوتا ہے اور فرشتے نوری مخلوق ہیں۔

نبی ﷺ کے سائے پر کسی کا قدم آنا:

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اگر نبی ﷺ کا سایہ ہوتا تو اس پر کسی کا قدم آ سکتا تھا، جس سے آپ کی توہین ہوتی، لہذا آپ کا سایہ اس لیے بھی نہ تھا۔ حالاں کہ یہ بات بھی خلاف واقع ہے کیوں کہ سایہ پاؤں کے نیچے آ ہی نہیں سکتا جب اس پر پاؤں آئے گا تو لامحالہ سایہ پاؤں کے اوپر ہو جائے گا، تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

ہمارے شیخ مفتی مبشر احمد ربانی رحمۃ اللہ علیہ عقلی طور پر اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عقلی طور پر بھی معلوم ہوتا ہے کہ سایہ مرئیہ فقط اس جسم کا ہوتا ہے جو ٹھوس اور نگر ہونیوز سورج کی شعاعوں کو آگے گزرنے نہ دے لیکن اگر وہ جسم اتنا صاف اور شفاف ہو کہ وہ سورج کی شعاعوں کو روک ہی نہیں سکتا تو اس کا سایہ بلاشبہ نظر نہیں آتا مثلاً: صاف اور شفاف شیشہ اگر دھوپ میں لایا جائے تو اس کا سایہ دکھائی نہیں دیتا کیوں کہ اس میں شعاعوں کو روکنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی، بخلاف اس کے نبی کریم ﷺ کا جسد اطہر نہایت ٹھوس اور نگر تھا اس کی ساخت شیشے کی طرح نہیں تھی کہ جس سے سب کچھ ہی گزر جائے۔ لامحالہ آپ کا سایہ تھا، اگر جسم اطہر کا سایہ مبارک نہ تھا تو کیا جب آپ لباس پہنتے تو آپ کے ملبوسات کا بھی سایہ نہ تھا؟ اگر وہ کپڑے اتنے لطیف تھے کہ ان کا سایہ نہ تھا تو پھر ان کے پہننے سے ستر وغیرہ کی حفاظت کیسے ممکن ہوگی؟ (آپ کے مسائل: 42/1)





ڈاکٹر ابو جابر عبد اللہ دمانوی

صلوة الضحیٰ کے فضائل و مسائل



اسلام میں الصلوٰۃ (نماز) کی اہمیت:

اسلام میں نماز کی جو قدر و قیمت اور اہمیت ہے وہ کسی دوسری عبادت کو حاصل نہیں ہے۔ نماز درجات کی بلندی، گناہوں کی معافی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ایک عظیم ذریعہ ہے۔ ﴿وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (اور سجدہ کر اور بہت قریب ہو جا)

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں اور ان نمازوں کو اخلاص کے ساتھ ادا کرنے والوں کے لیے مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

فرض نمازوں کے علاوہ نوافل کی ادائیگی پر بھی بہت سے انعامات کے وعدے فرمائے گئے ہیں۔ نفل نمازوں میں سنن راتبہ کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صلوٰۃ الضحیٰ، قیام اللیل (تہجد کی نماز)، صلوٰۃ الوضوء (تحیۃ الوضوء)، صلوٰۃ المسجد (تحیۃ المسجد)، صلوٰۃ الاستخارہ، صلوٰۃ التبیح اور دیگر نوافل کو اپنی اپنی جگہ ایک اہمیت حاصل ہے۔

اس مضمون میں صلوٰۃ الضحیٰ کے سلسلہ کے کچھ دلائل ذکر کیے جا رہے ہیں اور اس سلسلہ کی احادیث کو اس مضمون میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ قارئین کرام کو اس نماز کے سلسلہ کی معلومات فراہم کر دی جائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے اللہ! تمام اہل اسلام کو فرض نمازوں کے علاوہ ان نوافل کو بھی پابندی سے ادا کرنے کی توفیق نصیب فرما۔ (آمین)

الضحیٰ کا لغوی معنی:

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: الضحیٰ کے اصل معنی: دھوپ پھیل جانے اور دن چڑھ آنے کے ہیں پھر اس وقت کو بھی ضحیٰ کہا جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ۝﴾ (الشمس: 1)

”سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی۔“

﴿إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ۝﴾ (النازعات: 46)

”ایک شام یا اس کی صبح۔“

﴿وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلُ إِذَا سَجَىٰ ۝﴾ (الضحیٰ: 1-2)

”آفتاب کی روشنی کی قسم اور رات کی جب وہ چھا جائے۔“

﴿وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ۝﴾ (النازعات: 29)

”اور اس کی روشنی نکالی۔“

﴿وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝﴾ (طہ: 59)

”اور یہ کہ لوگ اس دن چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔“

ضُحًى یَضْحٰی شمس یعنی دھوپ کے سامنے آنا۔ قرآن میں ہے کہ:

﴿وَأَنْتَ لَا تَنْظُمُوْا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰی ۝﴾ (طہ: 119)

”اور یہ کہ (تم جنت میں) نہ پیاسے رہو گے اور نہ دھوپ کھاؤ گے۔“

(مفردات القرآن (اردو) ج 2، ص 607، طبع مکتبہ شیخ شمس الحق لاہور)

سید عبدالدائم الجلالی صاحب رقم طراز ہیں: ضُحًى: وقت چاشت، دن چڑھے، وہ وقت

جب کہ دھوپ چڑھ جائے۔ ضُحًى کے معنی دھوپ کے پھیلنے اور دن کے چڑھنے کے ہیں،

نیز اس وقت کو بھی ضُحًى کہتے ہیں۔ ابن خالویہ لغوی لکھتے ہیں: ”ضُحًى مقصور ہے مثل

ہدیٰ کے اور ضُحًى مونث ہے اس کی تصغیر ضُحَيَّةٌ ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس کی تصغیر

ضُحًى کہے بغیر ہا کے تاکہ اس کی تصغیر ضُحُوَّةٌ کی تصغیر کے مشابہ نہ ہو اور ضُحًى کے معنی دن

چڑھے کے ہیں۔ (مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ: ص 54، ج 4، طبع دینی کتب خانہ اردو بازار لاہور)

صلوٰۃ الضحیٰ:

سورج کے طلوع ہونے کے بعد جب قدر بلند ہو جائے اور زوال سے پہلے تک کے



وقت کو وضیٰی کہا جاتا ہے اور اس دوران میں جو نماز ادا کی جاتی ہے اسے ”صلوٰۃ الضحیٰ“ کہا جاتا ہے۔ صلاۃ الاشرق اور صلاۃ الاوابین بھی اسی نماز کے نام ہیں۔^① اس کی دو رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں، چار بھی اور آٹھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

صلوٰۃ الضحیٰ کے فضائل:

[1]..... سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((يُصْبِحُ عَلَى كُلِّ سَلَامٍ مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَيُجْزَى مِنْ ذَلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحَى.)) ”تم میں سے ہر ایک پر اس کے تمام جوڑوں کا صدقہ کرنا ضروری ہے، ہر قسم کی تسبیح (سبحان اللہ کہنا) ایک صدقہ ہے، ہر قسم کی حمد ایک صدقہ ہے، ہر مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا ایک صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا ایک صدقہ ہے، برائی سے روکنا ایک صدقہ ہے، اور جو شخص ضحیٰ کی دو رکعتیں پڑھ لیتا ہے تو وہ اس کے لیے (تمام جوڑوں کی طرف سے) کافی ہو جاتی ہیں۔“ (صحیح مسلم: 720، مسند احمد، ح: 21475، یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے البتہ اس میں نماز کی تعداد دو ہی رکعت بیان ہوئی ہے۔ دیکھئے سنن ابوداؤد، ح: 1285، 1286، مسند احمد: 178/5، السنن الکبریٰ للنسائی، ح: 9028)

[2]..... سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ((فِي الْإِنْسَانِ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَسِتُّونَ مَفْصَلًا، فَعَلَيْهِ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ

① ہمارے شیخ مفتی مبشر احمد ربانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کئی ایک علماء نے صلوٰۃ الاشرق کو صلاۃ الضحیٰ ہی قرار دیا ہے۔ البتہ بعض نے فرق بھی کیا ہے۔ مولانا عبید اللہ رحمانی محدث مبارکپوری نے ذکر کیا ہے کہ صلاۃ الاشرق ضحویہ صغریٰ اور صلاۃ الضحیٰ ضحویہ کبریٰ میں ادا کی جاتی ہے۔ [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: آپ کے مسائل اور ان کا حل: 138/3۔ محمد ارشد کمال]

مَفْصِلٍ مِّنْهُ بِصَدَقَةٍ)) ”انسان میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، اور ہر جوڑ کے بدلے صدقہ کرنا اس پر لازم ہے۔“ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے نبی! اتنی طاقت کون رکھتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((النُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا، وَالشَّيْءُ تَنْحِيهِ عَنِ الطَّرِيقِ، فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فَرَكَعْنَا الضُّحَى تُجْزِئُكَ.)) ”مسجد سے بلغم کو صاف کر دینا، راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا (صدقہ ہے) پس! اگر تو (کوئی چیز) نہ پائے تو ضحیٰ کی دو رکعتیں تیرے لیے کافی ہیں۔“ (سنن ابی داود: 5242، وقال الاستاذ حافظ زبير على زئي: اسنادہ حسن)

[3]..... سیدنا ابودرداء یا سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ((ابْنُ آدَمَ! ارْكَعْ لِي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ.)) ”اے ابن آدم! دن کے اول وقت میرے لیے چار رکعتیں پڑھ، تو میں تجھے دن کے آخر وقت تک کافی ہو جاؤں گا۔“ (جامع الترمذی: 475۔ وقال الاستاذ زبير على زئي رحمه الله: صحيح)

یہ حدیث سیدنا عقبہ بن عامر الجعفی رضی اللہ عنہ (مسند احمد: 153/4 وسندہ صحیح) ابومرۃ الطائی رضی اللہ عنہ (مسند احمد: 287/5 وسندہ صحیح) اور نعیم بن ہمار رضی اللہ عنہ (مسند احمد: 287/5 وسندہ صحیح) سے بھی مروی ہے۔

[4]..... سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَاجْرُهُ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ، وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِيحِ الضُّحَى لَا يُنْصِبُهُ إِلَّا إِيَّاهُ فَاجْرُهُ كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٍ عَلَى إِثْرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِي عِلِّيَّينَ.)) ”جو شخص با وضو ہو کر فرض نماز کے لیے اپنے گھر سے روانہ ہوتا ہے تو اس کا اجر احرام باندھے حاجی کے اجر کی طرح ہے اور جو شخص صرف نماز چاشت کے لیے روانہ ہوتا ہے اس کے لیے عمرہ ادا کرنے والے کی مثل اجر ہے اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز اس طرح پڑھنا کہ ان کے درمیان کوئی



لغوبات نہ ہو تو اس کا عمل علیین میں لکھ دیا جاتا ہے۔“ (سنن ابوداؤد: 558 واسنادہ حسن)

[5]..... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ (جہاد کے لیے) روانہ فرمایا۔ پس وہ بہت بڑا مال غنیمت لے کر لوٹے اور وہ اپنی مہم سے بھی بہت جلد واپس آ گئے۔ تو ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم نے کوئی ایسا لشکر کبھی نہیں دیکھا کہ جو جہاد سے اس لشکر کے علاوہ جلد واپس آ گیا ہو۔ اور اتنا بڑا مال غنیمت بھی لے کر لوٹا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَسْرَعِ كَرَّةٍ مِنْهُ، وَأَعْظَمِ غَنِيمَةٍ؟ رَجُلٌ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ فَأَحْسَنَ وَضُوءًا. ثُمَّ تَحَمَّلَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ الْعَدَاةَ، ثُمَّ عَقَّبَ بِصَلَاةِ الضُّحَا فَقَدْ أُسْرِعَ الْكَرَّةَ وَأَعْظَمَ الْغَنِيمَةَ)) ”کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ تیزی سے واپس آنے والا اور عظیم مال غنیمت لانے والا (عمل) نہ بتاؤں؟ جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے اور احسن طریقے سے وضو کرے پھر وہ مسجد کی طرف چل پڑے اور وہاں صبح کی نماز ادا کرے اور پھر اس کے بعد (جب سورج طلوع ہو کر بلند ہو جائے تو وہ) نماز صبحی ادا کرے تو یہی وہ شخص ہے کہ جس کا عمل بہت جلد واپس آنے والے اور عظیم مال غنیمت لانے والے (لشکر) سے بھی بڑھ کر ہے۔“ (مسند ابویعلی: 6559- وقال الهیثمی فی المجمع (408/2) رواہ ابویعلی ورجالہ رجال الصحیح۔ قلت: واسنادہ صحیح)

کسی لشکر کا جہاد کے لیے جانا اور بے انتہا مال غنیمت لے کر بہت ہی جلد واپس آ جانا ان باتوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا، اس موقع پر نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ اگر کوئی شخص صبحی کی نماز کا اہتمام کرے تو یہی ایسا شخص ہے کہ گویا اس نے عظیم مال غنیمت اور جلد واپس آنے والے لشکر سے بھی زیادہ اجر و ثواب حاصل کر لیا ہے اور اس اجر و ثواب کا مقابلہ دنیا کا مال و دولت بالکل نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ صبحی کی نماز کی ادائیگی سے انسان اجر و ثواب سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

[6]..... عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَتَّى تَرْتَفِعَ..... ثُمَّ صَلِّ، فَإِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُودَةً مَحْضُورَةً.)) ”صبح کی نماز پڑھ، پھر نماز پڑھنے سے رک جا، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے..... پھر نماز (چاشت) پڑھ، کیوں کہ اس وقت کی نماز کی گواہی کراماً کا تبین دیں گے اور فرشتے حاضر ہوں گے۔“ (صحیح مسلم: 832)

[7]..... ”سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کچھ لوگوں کو نماز چاشت پڑھتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے فرمایا: انھیں علم ہے کہ اس وقت کے علاوہ نماز (چاشت) پڑھنا افضل ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ((صَلَوَةُ الْاَوَّابِينَ حِينَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ.)) ”صلوۃ الاوابین کا وقت وہ ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں (شدت حرارت سے ریت گرم ہو جانے کی وجہ سے) گرمی محسوس کریں۔“

(صحیح مسلم: 748)

اس حدیث میں صلاۃ الضحیٰ کو ”صلاۃ الاوابین“ کہا گیا ہے یعنی ”اللہ کی طرف بہت ہی زیادہ رجوع کرنے والوں کی نماز۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ نماز بہت ہی زیادہ فضیلت والی ہے۔ [8]..... ”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا يُحَافِظُ عَلَى صَلَاةِ الضُّحَى إِلَّا اَوَّابٌ)) ”چاشت کی نماز کی محافظت صرف اواب (اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا) ہی کرتا ہے۔“ اور فرمایا: ((هِيَ صَلَوَةُ الْاَوَّابِينَ.)) ”یہی (نماز) صلاۃ الاوابین ہے۔“ (صحیح ابن خزيمة: 1224، مستدرک حاکم: 314/1)

امام حاکم رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”صحیح علی شرط مسلم“ کہا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے۔ (الصحيحة، ح: 703، 1994)

[9]..... ”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی جنہیں میں کبھی چھوڑنے والا نہیں ہوں: (1) سونے سے پہلے وتر کی نماز ادا



کرنا۔ اور (2) چاشت کی دو رکعتیں، انھیں میں کبھی نہیں چھوڑوں گا کیوں کہ یہ صلاۃ الاوابین ہے، (3) اور ہر ماہ میں تین روزے رکھنا۔ (صحیح ابن خزیمہ: 1223)

اس حدیث کا ایک راوی سلیمان ابی سلیمان الہاشمی ہے جسے حافظ ابن حجر نے مقبول کہا ہے۔ لیکن ہماری تحقیق میں یہ راوی حسن الحدیث ہے۔ امام ابن حبان نے اسے الثقات میں ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے اور امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔
ایک غلط فہمی کی وضاحت:

بعض لوگوں نے مغرب کے بعد کے نوافل کے لیے ”صلوۃ الاوابین“ کا نام استعمال کر رکھا ہے، جب کہ مغرب کے بعد کے نوافل کا یہ نام کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ نیز مغرب کے بعد نوافل پڑھنے والی تمام روایات موضوع وضعیف ہیں۔ البتہ صحیح ابن خزیمہ میں ایک روایت ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

”سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز مغرب ادا کی، پھر آپ نے نماز پڑھی یہاں تک کہ آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی۔“

(صحیح ابن خزیمہ: 1194 و سندہ حسن)

اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے مغرب سے عشاء تک کتنی رکعات ادا فرمائیں، صرف یہ ہے کہ آپ نے نماز پڑھی۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی تبویب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دوران میں کچھ نوافل ادا فرمائے۔ اور امام موصوف نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت نقل کی ہے لیکن اس روایت کا ایک راوی یحییٰ بن ابی کثیر الطائی، ابو نصر الیمانی رحمہ اللہ ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ثقة، ثبت، لکنہ یدلس ویرسل۔ آپ ثقہ، ثبت راوی ہیں لیکن آپ تدلیس اور ارسال کیا کرتے تھے۔ (تقریب: 8597) دلس راوی کے متعلق یہ قاعدہ وقانون ہے کہ جب وہ اپنی بیان کردہ روایت میں سماع کی تصریح کرے تو وہ روایت صحیح ہوتی ہے اور جس روایت کو وہ عن سے بیان کرے اور سماع کی تصریح نہ کرے تو ایسی روایت ضعیف



ہوتی ہے اور اس روایت میں یحییٰ ابن ابی کثیر نے سماع کی تصریح نہیں کی علاوہ ازیں اس میں عمر بن ابی نخعم ضعیف ہے۔ ان علتوں کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے اور ضعیف روایت حجت و دلیل کا مقام نہیں رکھتی لہذا ایسی روایت سے استدلال درست نہیں ہے۔

اس روایت کو غالباً امام موصوف نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی وضاحت، تشریح اور تقویت کے لیے بیان کیا ہے تاکہ ان کے قائم کردہ باب میں وزن پیدا ہو جائے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابوداؤد نے بیان کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں قراءت لمبی کیا کرتے تھے یہاں تک کہ نمازی چلے جاتے تھے۔“ (سنن ابوداؤد: 1301، واسنادہ حسن)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حذیفہ کی حدیث میں مغرب و عشاء کے درمیان جس نماز کا ذکر کیا گیا ہے وہ مغرب کی دو سنتیں ہی ہیں کہ جن میں آپ لمبی قراءت کیا کرتے تھے۔ نماز مغرب کے بعد کی نماز کے سلسلہ میں ایک مزید مثال اور اس کی وضاحت دوسری احادیث ملاحظہ فرمائیں تاکہ یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو جائے۔

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبدالاشہل قبیلہ کی مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے وہاں مغرب کی نماز ادا فرمائی نماز کے بعد آپ نے ان کو دیکھا ((يُسَبِّحُونَ بَعْدَهَا)) وہ اس کے بعد نفل پڑھ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: ((هَذِهِ صَلَاةُ الْبُيُوتِ)) ”یہ گھروں میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ (انھیں گھروں میں ادا کیا کرو)۔“

(ابوداؤد: 1300، ترمذی: 604، والنسائی: 1601، اسنادہ حسن)

اس حدیث میں مغرب کے بعد کی سنتوں کے لیے ”يُسَبِّحُونَ“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس سے شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہاں دو سے زیادہ رکعات مراد ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ الفاظ صرف مغرب کی دو سنتوں ہی کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ جیسا کہ



روایات کے عموم سے بھی یہ واضح ہوتا ہے۔

نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغرب کے بعد کی سنتیں مسجد ہی میں ادا کرنے لگے تھے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ان سنتوں کو گھروں میں ادا کیا کرو۔ نبی ﷺ کی یہ عادت مبارک تھی آپ سنتوں کو گھر ہی میں ادا فرمایا کرتے تھے، چنانچہ آپ مغرب کی دو سنتیں بھی گھر ہی میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور دو سنتوں سے زیادہ پڑھنا کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح احادیث میں صرف دو سنتوں ہی کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کی بعض احادیث کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

- 1: سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت (صحیح مسلم: 729/103، ترمذی: 415)
 - 2: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت (صحیح بخاری: 1180، 1181، مسلم: 729)
 - 3: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت (صحیح مسلم: 730، ابوداؤد: 1251)
 - 4: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت (ابوداؤد: 1301)
- رسول اللہ ﷺ کا نماز فجر کے بعد کا معمول:

✽..... ”سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی نماز کی جگہ پر بیٹھے رہتے یہاں تک کہ سورج اچھی طرح سے طلوع ہو جاتا۔“

(صحیح مسلم: 670)

✽..... ”سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب نبی ﷺ فجر کی نماز پڑھتے تو سورج کے اچھی طرح طلوع ہو جانے تک آلتی پالتی مار کر (چار زانوں ہو کر) اپنی جگہ بیٹھے رہتے۔“ (صحیح مسلم: 670۔ ابوداؤد: 4852)

✽..... ”سماک بن حرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ رسول اللہ ﷺ سے مجلس کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، بہت زیادہ۔ آپ ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ لیتے تو آپ اپنی نماز کی جگہ سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے



جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جاتا۔ پھر جب سورج طلوع ہو جاتا تو آپ کھڑے ہو جاتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دوران میں دور جاہلیت کی باتوں کو بیان کر کے ہنستے تھے اور نبی ﷺ مسکراتے تھے۔ (صحیح مسلم: 2322)

✽..... جامع الترمذی کی روایت میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی مجلسوں میں سو مرتبہ سے بھی زیادہ شریک رہا ہوں۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سامنے امور جاہلیت کے متعلق اشعار پڑھتے اور اس پر گفتگو کرتے تھے اور آپ خاموش رہتے اور کبھی تبسم فرماتے۔ (جامع ترمذی: 2859)

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد سے سورج کے طلوع ہونے تک اپنی جائے نماز پر تشریف فرما رہتے اور جب سورج اچھی طرح طلوع ہو جاتا تو آپ اپنی جائے نماز سے کھڑے ہو جاتے۔
صلاة الضحیٰ کا وقت اور تعداد:

صلاة الضحیٰ کا ابتدائی وقت وہ ہے کہ جب سورج طلوع ہونے کے بعد قدر بلند ہو جائے۔
✽..... ”سعید بن نافع تابعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابو بکر انصاری رضی اللہ عنہ نے اس وقت صلاۃ الضحیٰ پڑھتے ہوئے دیکھا کہ جب سورج طلوع ہو رہا تھا، تو انھوں نے مجھے ٹوکا اور مجھے ایسے وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا اور پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا تُصَلُّوْا حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ فَإِنَّهَا تَطْلُعُ فِي قَرْنِ الشَّيْطَانِ)) جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہو تو اس وقت نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے کیوں کہ وہ (سورج) شیطان کے دو سینگوں کے درمیان میں طلوع ہوتا ہے۔“ (مسند احمد: 217/5 واسنادہ حسن)

امام ابن شاہین رحمہ اللہ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے سعید بن نافع انصاری رحمہ اللہ کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ وہ اہل مدینہ کے ہم پلہ (برابر) تھے۔ (تاریخ اسماء الثقات: 446، الثقات: 196/4)



اس حدیث سے واضح ہوا کہ صلاۃ الضحیٰ کا ابتدائی وقت سورج کے طلوع ہونے کے بعد قدر بلند ہو جانے پر ہے۔

✽..... ”عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ میں نے علی (ابن ابی طالب) رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی دن کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ ہم نے کہا: جو شخص اس کی طاقت رکھے گا وہ پڑھ لے گا۔ تو انھوں نے فرمایا: جس وقت مشرق میں سورج اس طرح ہوتا جس طرح کہ عصر کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے تو آپ دو رکعتیں پڑھتے تھے اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں اس کے بعد پڑھتے اور چار رکعات عصر سے پہلے بھی پڑھتے تھے، ہر دو رکعتوں میں مقرب فرشتوں، انبیاء اور مومنین و مسلمین میں سے متبعین انبیاء پر سلام پہلے جدائی ڈالتے تھے۔ (یعنی دو دو رکعتیں الگ الگ پڑھتے تھے) (شمائل ترمذی: 286 سنن ترمذی، ح: 599 وقال حدیث حسن، سنن نسائی: 875 وقال الشیخ حافظ زبیر علی زئی: وسندہ حسن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاشت کی نماز کا وقت وہ ہے کہ جب سورج مشرق کی طرف اس طرح ہو جس طرح کہ عصر کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے۔ اور گذشتہ صفحات میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے جس میں چاشت کی نماز کا وقت بتایا گیا ہے کہ جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں (شدت حرارت سے ریت کے گرم ہو جانے کی وجہ سے) سخت گرمی محسوس کرتے ہوں۔ بہر حال سورج طلوع ہونے کے بعد جب وہ قدر بلند ہو جائے سے لے کر زوال سے پہلے تک کا وقت صلاۃ الضحیٰ کا وقت ہے۔ اس دوران میں کسی بھی وقت اسے ادا کیا جاسکتا ہے۔

چاشت کی نماز کی تعداد:

چاشت کی نماز کی کم از کم تعداد دو رکعت ہے اور اس سلسلہ کی بعض احادیث کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور بعض کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔

✽..... سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ”مجھے میرے خلیل ابوالقاسم (رضی اللہ عنہ) نے



تین چیزوں کی وصیت فرمائی ہے: (1) ہر مہینے میں تین روزے رکھنے کی، (2) چاشت کی دو رکعت پڑھنے کی۔ (3) اور سونے سے قبل وتر پڑھ لینے کی۔“ (صحیح مسلم: 721، صحیح البخاری: 1981، 1178) صحیح البخاری میں ہے: ”مجھے میرے خلیل ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی، جنہیں میں کبھی نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ مجھے موت آجائے۔“ (1178)

✽..... ”سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے میرے حبیب (ﷺ) نے تین چیزوں کی وصیت فرمائی۔ میں جب تک زندہ رہا انہیں کبھی بھی ترک نہیں کروں گا: (1) ہر مہینے میں تین روزے۔ (2) چاشت کی نماز (3) اور وتر پڑھے بغیر نہ سونا۔“ (صحیح مسلم: 722)

✽..... ”سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے جو

بہت موٹے آدمی تھے، رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا (مجھ کو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت دیجیے) انھوں نے اپنے گھر نبی ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ کو اپنے گھر بلایا اور چٹائی کے کنارے کو آپ کے لیے پانی سے صاف کیا، آپ نے اس پر دو رکعت نماز پڑھی۔ فلان بن فلان بن الجارود نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے اس روز کے علاوہ آپ کو کبھی بھی یہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ (صحیح البخاری: 670، 1179-6080)

✽..... سیدنا محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا جو بدر کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے وہ کہتے تھے کہ میں اپنی قوم بنی سالم کو نماز پڑھایا کرتا تھا میرے (گھر) اور قوم کی مسجد کے بیچ میں ایک نالہ تھا اور جب بارش ہوتی تو اسے پار کر کے مسجد تک پہنچنا میرے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے میں نے کہا کہ میری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں اور ایک نالہ ہے جو میرے اور میری قوم کے درمیان پڑتا ہے، وہ بارش کے دنوں میں بہنے لگ جاتا ہے اور میرے لیے اس کو پار کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ آپ تشریف لا کر میرے گھر کسی جگہ نماز پڑھ دیں تاکہ میں اسے اپنے لیے نماز پڑھنے کی



جگہ مقرر کر لوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری یہ خواہش جلد ہی پوری کروں گا۔“ پھر دوسرے ہی دن آپ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر صبح تشریف لے آئے اور آپ ﷺ نے اجازت چاہی اور میں نے اجازت دے دی۔ آپ ﷺ تشریف لا کر بیٹھے بھی نہیں بلکہ پوچھا کہ تم اپنے گھر میں کس جگہ میرے لیے نماز پڑھنا پسند کرو گے؟“ میں جس جگہ کو نماز پڑھنے کے لیے پسند کر چکا تھا اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہی اور ہم سب نے آپ کے پیچھے صف باندھ لی۔ آپ ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر سلام پھیرا۔ ہم نے بھی آپ کے ساتھ سلام پھیرا۔“ (صحیح البخاری: 1186)

چاشت کی چار رکعتیں:

[17]..... ”معاذہ اللہ، بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز کتنی رکعات پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: چار رکعت (پڑھتے تھے) اور جب اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے۔“ (صحیح مسلم: 719)

چاشت کی آٹھ رکعتیں:

✽..... عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ (ثقہ تابعی) کہتے ہیں کہ مجھے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا کسی نے بھی نہیں بتایا کہ اس نے نبی ﷺ کو نماز چاشت پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اس (ام ہانی رضی اللہ عنہا) نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں فتح مکہ والے دن داخل ہوئے تو غسل فرمایا، پھر آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ میں نے اتنی مختصر نماز پڑھتے ہوئے آپ کو اس کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا، سوائے یہ کہ آپ رکوع اور سجود پوری طرح ادا فرما رہے تھے۔ (شمائل ترمذی: 289۔ سنن ترمذی: 474، صحیح مسلم: 336، صحیح

(البخاری: 1176)

امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم پر صلاۃ الضحیٰ کا باب قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں: چاشت کی نماز کی کم از کم تعداد دو رکعات ہے اور مکمل تعداد آٹھ رکعات ہیں اور درمیانہ تعداد چار یا



چھ رکعات ہیں۔ (صحیح مسلم، قبل حدیث: 1660)

سفر میں صلوٰۃ الضحیٰ:

✽..... سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے سفر میں صلوٰۃ الضحیٰ کی آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں۔ (مسند احمد: 146/3، 156 وسندہ حسن۔ ضحاک بن عبد اللہ حسن الحدیث ہے۔)

سفر سے واپسی پر صلوٰۃ الضحیٰ:

✽..... عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ”کیا نبی ﷺ صلوٰۃ ضحیٰ پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، الا یہ کہ جب آپ سفر سے واپس آتے تو پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم: 717، شمائل ترمذی: 290)

اس حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے چاشت کی نماز کی نفی فرما رہی ہیں البتہ وہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو چاشت کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ گویا انھوں نے نبی ﷺ کو جو عمل کرتے ہوئے دیکھا اسے بیان کر دیا۔ صحیح مسلم کی حدیث (716) جو پیچھے گزر چکی ہے اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ نبی ﷺ چار رکعات چاشت کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے اور چار سے زیادہ بھی جتنی اللہ چاہتا ادا فرمایا کرتے تھے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ انھیں بعد میں اس بات کی اطلاع ملی تھی تو انھوں نے اس حقیقت کو بیان کر دیا۔

✽..... سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب چاشت کے وقت سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد میں داخل ہوتے اور بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں ادا فرماتے۔ (صحیح البخاری: 3088۔ صحیح مسلم: 716)

✽..... سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ اس وقت (سفر سے واپسی پر) مسجد میں تشریف فرما تھے۔ چاشت کا وقت تھا۔ پس آپ



نے فرمایا: ((صَلِّ رَكَعَتَيْنِ)) ”دو رکعت ادا کرلو“ اور نبی ﷺ پر میرا کچھ قرض تھا چنانچہ آپ نے وہ قرض ادا کیا اور کچھ زیادہ ہی دیا۔ (صحیح البخاری : 443۔ صحیح مسلم : 715)

✽..... سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی چاشت کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ آپ سفر کے لیے روانہ ہوتے اور یا سفر سے واپس تشریف لاتے۔ (تب آپ صلاۃ الضحیٰ ادا فرماتے تھے) (مسند احمد :

132/3، وسندہ حسن)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کی وضاحت :

✽..... عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ایک کام کو چھوڑ دیتے تھے اور آپ کو اس کا کرنا پسند ہوتا تھا اور اسے اس خیال سے ترک کر دیتے تھے کہ لوگ آپ کو جب یہ عمل کرتا دیکھیں گے تو وہ بھی عمل کرنا شروع کر دیں گے اور اس طرح وہ عمل ان پر فرض ہو جائے گا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے چاشت کی نماز کبھی نہیں پڑھی اور بے شک میں یہ نماز پڑھتی ہوں۔ (صحیح البخاری : 1128، صحیح مسلم : 1662) اور ایک روایت میں فرماتی ہیں: ((مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَبَّحَ سُبْحَةَ الضُّحَىٰ وَإِنِّي لَا سَبَّحُهَا.)) میں نے رسول اللہ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور البتہ میں یہ نماز پڑھتی ہوں۔ (صحیح البخاری : 1177، صحیح مسلم : 1662)

سُبْحَةُ کی جمع سُبَّحٌ ہے اور اس کا مطلب دعا، ذکر اور نفل نماز ہے۔ (بیان اللسان، ص : 353) حافظ ابن عبد البر الاندلسی رضی اللہ عنہ مؤطا کی شرح ”التمہید“ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”أما قولها: ما سبَّح سُبْحَةَ الضُّحَى، فمعناه، ما صلى صلاة الضُّحَى، قال الله عز وجل: ﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ﴾ (الصفات : 143) قال المفسرون: من المصلين إلا أن أهل العلم لا يوقعون اسم سُبْحَةَ إلا على النافلة، دون الفريضة لقوله ﷻ واجعلوا صلاتكم



معهم سبعة، ای نافله۔ (أخرجه احمد: 455/1 عن ابن مسعود والطبرانی فی الكبير: 161/10 عن ابن مسعود، صحيح مسلم: 534/26) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی چاشت کی نماز نہیں پڑھی اللہ عزوجل کا فرمان ہے: اگر (سیدنا یونس علیہ السلام) تسبیح یعنی نماز پڑھنے والے نہ ہوتے تو وہ قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہ جاتے۔ (الصافات: 43) مفسرین کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ نماز پڑھنے والے اور اہل علم کے نزدیک سُبْحَةُ کا اطلاق نوافل پر ہوتا ہے۔ فرض نماز پر نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”اپنی نمازوں کے ساتھ سُبْحَةُ یعنی نوافل کا بھی اہتمام کیا کرو۔“ (فتح المالك تبویب ”التمهید“ 160/3 طبع دارالکتب العلمیة بیروت) سبعة کے الفاظ قرآن کریم میں رات کی نماز کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ (دیکھئے: الدهر: 26، ق: 40، الطور: 49)

چاشت کی نماز نبی ﷺ سے پڑھنا ثابت ہے۔ البتہ آپ اسے مسلسل نہیں پڑھتے تھے۔ اب جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے اسے بیان کر دیا اور جنھوں نے نہیں دیکھا تو انھوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا اور اس نماز کو مسلسل نہ پڑھنے کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ کہیں لوگوں کے ذوق و شوق کو دیکھ کر یہ نماز ان پر فرض ہی نہ کر دی جائے۔ اسی طرح کا ایک عمل آپ کا نماز تراویح کے متعلق بھی بیان ہوا ہے کہ آپ نے رمضان المبارک کے مہینے میں ایک مرتبہ دو راتوں تک لوگوں کو باجماعت نماز تراویح پڑھائی اور تیسرے دن جب آپ کی نماز تراویح کا چرچا ہوا تو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نماز تراویح میں شریک ہونے کے لیے جمع ہو گئی تھی تو آپ ﷺ تراویح پڑھانے کے لیے گھر سے باہر تشریف نہیں لائے اور پھر آپ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ مجھے تمھارے اس ذوق و شوق کو دیکھ کر خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض ہی نہ کر دی جائے۔ لیکن نبی ﷺ کی وفات کے بعد یہ خدشہ ختم ہو گیا اور اب اگر کوئی اس عمل کو ہمیشہ کرتا رہے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے



اسے جاری و ساری کروادیا کیوں کہ اس کے فرض ہو جانے کا خدشہ اب باقی نہیں رہا تھا۔
 الشیخ شعیب الارناؤوط رقم طراز ہیں: قال السندی: قولها: ما داوم، او قالته
 بحسب علمها، وقد جاء عنها الاثبات احيانا، فلعلها علمت بذلك
 من غيرها بعد هذا. (مسند الامام احمد بن حنبل مع الموسوعة: 102/41،
 تحت حدیث: 2455) الشیخ السندی نے کہا: سیدہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ آپ نے صلاۃ الضحیٰ
 نہیں پڑھی یعنی آپ نے اس پر دوام نہیں کیا یا انھوں نے اپنے علم کے مطابق یہ بات بیان
 فرمائی تھی اور ان سے کبھی اس کا اثبات بھی ثابت ہے۔ غالباً اس کے بعد انھیں اس بات کا علم
 ہوا کہ آپ نے صلاۃ الضحیٰ ادا فرمائی تھی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے موقف کی وضاحت:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس نماز سے لاعلمی کا اظہار فرمایا ہے۔ دیکھئے
 (صحیح البخاری: 1175) بلکہ انھوں نے اس نماز کے اہتمام کو بدعت قرار دیا ہے۔
 دیکھئے (صحیح البخاری: 1775، صحیح مسلم: 3036)
 حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ
 سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں سنتیں ادا کرنے کے جواز کے قائل نہیں تھے اور نہ وہ چاشت
 کی نماز کے قائل تھے۔

قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز چاشت کو لازم قرار دینے اور مساجد میں اسے
 ظاہر کر کے پڑھنے اور باجماعت ادا کرنے کا انکار کیا ہے۔ کیوں کہ یہ سنت کی مخالفت ہے اور ابن
 ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایک قوم کو
 چاشت کی نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر اسے پڑھنا ہی
 ہے تو گھروں میں ادا کرو۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (فتح الباری شرح صحیح البخاری
 52/3، 53 تحت حدیث: 1175۔ مسند الامام احمد بن حنبل، ج 276/10، 277،

تحقیق و تخریج الشیخ شعیب الارناؤوط واصحابہ طبع مؤسسة الرسالہ)



حدیث غسل عائشہ رضی اللہ عنہا اور منکرین حدیث

شیخ الحدیث حافظ عبداللہ رفیق

سوال:..... بعض لوگ ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ ایک آدمی کے کہنے پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پانی منگوا کر غسل کر کے دکھایا، پھر اس بہانے سے وہ احادیث پر اعتراض کرتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ (سائل: فراز احمد، اقبال ٹاؤن، لاہور)

جواب:..... پہلے یہ پوری روایت ملاحظہ فرمائیں:

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں:

((دَخَلْتُ أَنَا وَأَخُو عَائِشَةَ عَلَى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا أَخُوهَا عَنْ
غُسْلِ النَّبِيِّ ﷺ فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْوِ مِنْ صَاعٍ فَأَغْتَسَلْتُ
وَأَفَاضَتْ عَلَى رَأْسِهَا وَبَيْنَنَا وَبَيْنَهَا حِجَابٌ)) (صحیح البخاری،
کتاب الغسل، باب الغسل بالصباح ونحوه: 251۔ صحیح مسلم، کتاب
الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة، : 320، سنن
نسائی، کتاب الطهارة، باب ذکر القدر الذی یکتفی به الرجل من الماء
للغسل: 228)

”میں اور سیدہ عائشہ کا بھائی، عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے
بھائی نے ان سے نبی کریم ﷺ کے غسل کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے
ایک ٹوپے کی مقدار والا برتن منگوا دیا، پھر غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا جبکہ
ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل تھا۔“

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے ہمارے استاد گرامی محدث العصر حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ
فرماتے ہیں: ”یہاں مقصد غسل کی نمائش نہ تھا، بلکہ یہ بتلانا مقصود تھا کہ نبی کریم ﷺ غسل



کے لیے نہایت قلیل مقدار میں پانی استعمال فرماتے تھے۔ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع کے قریب پانی منگوا یا اور پس پردہ اس سے غسل فرمایا۔ ابوسلمہ اور آپ کے بھائی نے آپ کو غسل کرتے نہیں دیکھا کیونکہ درمیان میں پردہ تھا اور اصل مقصد یہ بتلانا تھا کہ اتنے قلیل پانی سے بھی غسل ہو سکتا ہے۔ مائی صاحبہ نے یہ خیال فرماتے ہوئے کہ شاید اس قدر قلیل پانی سے غسل کر لینا کسی کے لیے ناقابل یقین ہو، اس صاع یا ایک کے قریب پانی سے خود غسل کر کے اس امر کو حد یقین تک پہنچا دیا اور یہ ہم تاویل نہیں کر رہے بلکہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ہی یہ باب باندھا ہے: ”باب الغسل بالصاع ونحوہ“ ”ایک صاع اور اس کے قریب اتنی مقدار سے غسل جائز ہے۔“ اور یہ حدیث اسی باب کے تحت دی گئی ہے۔ (دوام حدیث: 368/2)

محترم حافظ صاحب کی توضیح کے مطابق غسل کا سوال کرنے سے اصل مقصود یہ تھا کہ کتنے تھوڑے پانی کے ساتھ نبی ﷺ غسل فرماتے تھے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پس پردہ تھوڑے سے پانی کے ساتھ غسل کر کے بتا دیا اور سائل کی طرف سے ممکنہ شک کو دور کر دیا۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ سائل کا سوال دراصل نبی ﷺ کے غسل کے پانی کے حوالہ سے تھا کہ وہ کتنی مقدار میں ہوتا تھا اور یہ بات اس لحاظ سے وزنی ہے کہ لغوی اعتبار سے غسل کے پانی کو غسل غین کی زبر (غَسَل) کے ساتھ کہتے ہیں بلکہ حدیث میں بھی یہ لفظ غسل کے پانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ((وَضَعْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ غَسْلًا)) (صحیح البخاری، قبل الحدیث: 266)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے غسل کا پانی رکھا۔“

چنانچہ امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی رحمہم اللہ تینوں محدثین کی کتب میں زبر مطالعہ حدیث پر غسل کے لیے پانی کی مقدار کے حوالہ سے ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ جس کی وضاحت جواب کے شروع میں حدیث کی تخریج کے تحت حوالوں سے ہو رہی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس موقع پر غسل کی کیفیت بیان کی وہاں پانی منگوانے کی ضرورت



محسوس نہیں کی۔ انھوں نے کئی احادیث میں غسل نبوی کی وضاحت کی ہے۔ مثال کے طور پر ان سے مروی ایک حدیث کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب غسل کرتے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے پھر اس طرح وضو کرتے جیسے نماز کے لیے وضو کرتے تھے پھر پانی میں اپنی انگلیاں داخل کرتے اور ان سے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے، پھر اپنے ہاتھوں سے تین چلو سر پر ڈالتے پھر تمام بدن پر پر پانی بہا لیتے۔ (صحیح البخاری، کتاب الغسل، باب الوضوء قبل الغسل : 2048)

اس جگہ پر اہم بات یہ ہے کہ ابوسلمہ ہی کے واسطے سے مروی روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے غسل کا طریقہ بیان کیا (اور پانی لانے کا نہیں کہا) وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل کرتے تو اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ ابتدا کرتے اس پر پانی ڈال کر اسے دھوتے، پھر ساتھ لگی ہوئی غلاظت پر دائیں ہاتھ کے ساتھ پانی ڈالتے اور بائیں ہاتھ کے ساتھ اسے صاف کرتے۔ (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب القدر المستحب : 321/43)

بہر حال عائشہ رضی اللہ عنہا نے غسل کی کیفیت بیان کرنے کے لیے پانی منگوانے کا اہتمام نہیں کیا بلکہ پانی کی مقدار بتانے کے لیے پانی لانے کا کہا اور غسل کر کے بتا دیا کہ اتنے قلیل پانی سے غسل کرنا ممکن ہے۔

یہ تو ہے زیر مطالعہ روایت کا مفہوم، جس پر کوئی عقلی اور نقلی لحاظ سے اعتراض و اشکال نہیں لیکن آپ حیران ہوں گے کہ ایک صاحب جو بزعم خویش اپنے آپ کو فہم و فراست اور عقل و دانش کا پہاڑ سمجھتے ہوں گے اپنی مغالطہ آرائی اور رنگ آمیزی کے روایتی انداز میں اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں: ”چار نامحرم آنکھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غسل کرتا دیکھیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کو نہ غیرت آئے نہ غصہ اور اس حدیث کو قول رسول (ﷺ) سمجھ کر اپنی کتاب میں شامل کر لیں۔ کیا کوئی مسلمان یہ برداشت کر سکتا ہے کہ اس کی بیوی ایک پتلا سا پردہ تان کر سارے محلے کے سامنے نہائے اور شرعی غسل کا طریقہ بتائے۔ (دوا سلام، ص 213)

غور کریں کہ دو آدمی کہنے کے بجائے ”چار آنکھیں“ کہا جیسے ان کو شبہ ہو گیا تھا کہ کوئی



سمجھنے والا یہ نہ سمجھ لے کہ قریب کے دو آدمیوں کی آنکھ ایک ایک تھی یا انھوں نے اپنی ایک ایک آنکھ بند کر رکھی تھی پھر ”نامحرم“ لکھتے ہوئے اتنے جذبات میں آئے ہیں کہ جس روایت کا ترجمہ کیا ہے: اس میں بھی صاف موجود ہے کہ ابوسلمہ کے ساتھ دوسرا جانے والا شخص عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ جس روایت پر نقد کرنے بیٹھے ہیں وہ دوسطروں پر مشتمل ہے۔ اس کے ترجمہ میں ان کے خود یہ الفاظ موجود ہیں ”حضرت عائشہ کا بھائی“ اور ان کے بھائی نے ان سے دریافت کیا“

لیکن پھر بھی لکھتے ہیں ”چار نامحرم آنکھیں“ غور کریں کہ حدیث کے حوالہ سے تعصب اس حد تک ہے کہ اردو زبان میں لکھے ہوئے صاف الفاظ بھی نظر نہیں آ رہے۔ دوسرے آدمی کے متعلق بھی حق و انصاف کا تقاضا تھا کہ تحقیق کرتے کہ یہ شخص کون ہے جو ہماری ماں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا ہے۔ تقریباً تمام ہی شارحین حدیث یہ لکھ رہے ہیں کہ وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی بھانجا تھا ان کی چھوٹی بہن اُمّ کلثوم بنت ابی بکر نے اسے یعنی ابوسلمہ کو دودھ پلایا تھا۔ اس طرح آپ ان کی رضاعی خالہ اور محرم رشتہ دار ہیں۔ (فتح الباری :

481/2، عمدة القاری : 293/3، شرح الکرمانی : 229/4)

پھر حدیث میں غسل کرتے ہوئے دیکھنے کی بات تو بالکل نہیں بلکہ اس کے برخلاف یہ بات موجود ہے کہ ”ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل تھا“ اس بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا مقصد ایک صاع کے قریب پانی کے ساتھ غسل کے ثبوت کو حق و یقین کی حد تک پہنچانا تھا غسل کر کے دکھانا ہرگز مقصود نہ تھا۔ فرض کریں اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پردے کے اوپر سے سر اور اس کے قریب والا حصہ دکھایا ہو تو بھی اس میں کوئی حرج والی بات نہیں کیونکہ تعلیم کے لیے پاس والے دونوں افراد ان کے محرم رشتہ دار تھے پھر کیڑے اتار کر نہانے والی بات بھی حدیث میں ہرگز نہیں۔ اس قسم کے حالات میں عام طور پر کیڑے سمیت غسل کیا جاتا ہے۔ لہذا اعتراض والی بات قطعاً نہیں اور پتلے پردے والی بات بھی اپنی ذہنی اختراع ہے حدیث میں بالکل نہیں ہے۔ یہ ”مرج مصالہ“

اپنی طرف سے شامل کیا گیا ہے۔ مزید برآں روایت میں دو محرم مردوں کے پردے کے پیچھے موجود ہونے کا ذکر ہے۔ اس کو اس انداز سے تشبیہ دے کر بیان کرنا کہ 'اس کی بیوی سارے محلے کے سامنے نہائے' کہاں کا انصاف ہے؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، جن کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا نہ صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا بلکہ تمام عورتوں سے زیادہ علم رکھتی تھیں۔ (البدایۃ والنہایۃ: 97/2) جن کی پاکدامنی اور طہارت کی گواہی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دی، وہ شرم و حیا کے منافی کوئی کام کیسے کر سکتی تھیں بلکہ ایک شرعی مسئلہ کی وضاحت کے لیے کپڑے پہنے ہوئے ہونے کے باوجود پردے اور حجاب کے اوٹ میں ہونا، ان پر اعتراض کی بجائے ان کی حیا اور احتیاط پر دلالت کرتا ہے۔

غور و فکر کا ایک اور انداز

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رقمطراز ہیں: اگر واقعہ حال میں معترض کے زعم باطل کے مطابق کوئی بات قابل اعتراض ہوتی بھی ہو اور اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ شرعاً اور عرفاً کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ خیر القرون میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خود راوی اور سائل اس پر نکیر نہ کرتے اور خاموشی اختیار کرتے۔ حاشا وکلا! اس کو چھوڑ دیئے، اگر اس روایت پر ایسا کوئی اعتراض ہوتا تو امت کے اساطین اہل علم میں کوئی ایک فرد تو ضرور اس کی طرف توجہ کر دیتا اور اس کا قابل اعتراض ہونا بیان کرتا لیکن آج تک کسی نے بھی اس روایت اور اس کے الفاظ کو قابل اعتراض نہ سمجھا، تو اس کا مطلب واضح ہے کہ معترض صرف اور صرف اپنے دل میں موجود بغض اور کینے کا اظہار کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر رہا۔ (کشف الباری 257/6)



تکبیرات عید الاضحیٰ

ابن شیر محمد ہوشیار پوری

عید الاضحیٰ کے ایام میں تکبیرات کا اہتمام کرنا مسنون و مستحب عمل ہے۔ اس لیے سب مسلمانوں کو چاہیے کہ عید الاضحیٰ کے ایام میں تکبیرات کا خوب اہتمام کریں اور اس سنت کے احیاء کی حتی الوسع کوشش کریں۔

☆ آغاز و اختتام:

ان تکبیرات کے آغاز و اختتام کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے صحابہ سے ہمیں یہ چیز ملتی ہے کہ یوم عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کی نماز فجر سے لے کر تیرہویں ذی الحجہ کی شام تک یہ تکبیرات پڑھی جائیں۔

✽ ابو عبد الرحمن سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ یوم عرفہ کی نماز فجر سے لے کر آخری یوم تشریق کو نماز عصر کے بعد تک (شام سے پہلے) تکبیرات پڑھتے رہتے تھے۔ (المصنف لابن ابی شیبہ 195/4 و اسنادہ صحیح)

✽ عکرمہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہما یوم عرفہ کی نماز فجر سے لے کر ایام تشریق کے اختتام تک یہ تکبیرات پڑھتے رہتے تھے۔ (ایام تشریق کے اختتام پر) مغرب کے وقت نہ پڑھتے۔ (ان کی تکبیرات کے الفاظ یہ ہوتے): ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَجَلُّ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ)) (ایضاً 198/4، و اسنادہ صحیح)

☆ تکبیرات کے الفاظ:

✽ جناب ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ ہمیں تکبیرات سکھایا کرتے تھے وہ فرماتے: تم تکبیر کہو: ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا، اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا)) یا (كَبِيْرًا کی جگہ)



تَكْبِيرًا كَتَبَ - ((اللَّهُمَّ أَنْتَ أَعْلَى وَأَجَلُّ مَنْ أَنْ تَكُونَ لَكَ صَاحِبَةٌ أَوْ يَكُونَ لَكَ وَلَدٌ أَوْ يَكُونَ لَكَ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ أَوْ يَكُونَ لَكَ وَلِيٌّ مِنَ الدُّلِّ كَبِيرُهُ تَكْبِيرًا، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا، اللَّهُمَّ ارْحَمْنَا)) (اے اللہ! تو اس سے بالا و برتر ہے کہ تیری کوئی بیوی ہو یا تیری اولاد ہو، یا بادشاہت میں تیرا کوئی شریک ہو یا کمزوری میں تیرا کوئی مددگار ہو اور اس (اللہ) کی خوب بڑائی بیان کرو۔ اے اللہ! ہمیں بخش دے۔ اے اللہ! ہم پر رحم فرما۔) (السنن الكبرى للبيهقي: 757/3 واسنادہ صحیح)

✽ جناب عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما عرفہ کی صبح سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن تک تکبیرات کہتے لیکن مغرب میں نہ کہتے۔ (تکبیرات کے الفاظ یہ ہوتے): اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاجَلُّ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰی مَا هَدَانَا))۔ (أَيْضًا: 757/3، واسنادہ صحیح)

☆.....☆.....☆

ماہ جون میں ”نورالحديث“ جاری کروانے والے

- ① الشیخ عبداللہ فاروق، رینالہ خورد
- ② حافظ محمد اسماعیل السلفی، جھنگ سٹی
- ③ جناب محمد محسن، رانیونڈ
- ④ الشیخ محسن سلفی، کراچی
- ⑤ جناب سہیل احمد، لاہور
- ⑥ جناب عبدالحمید، لاہور
- ⑦ جناب محمد رمضان سلفی، عارف والا
- ⑧ لاہوری جامعیہ ابی ہریرہ الاسلامیہ، رینالہ خورد
- ⑨ لاہوری جامعیہ نذیریہ، لاہور

جزاهم اللہ خیراً